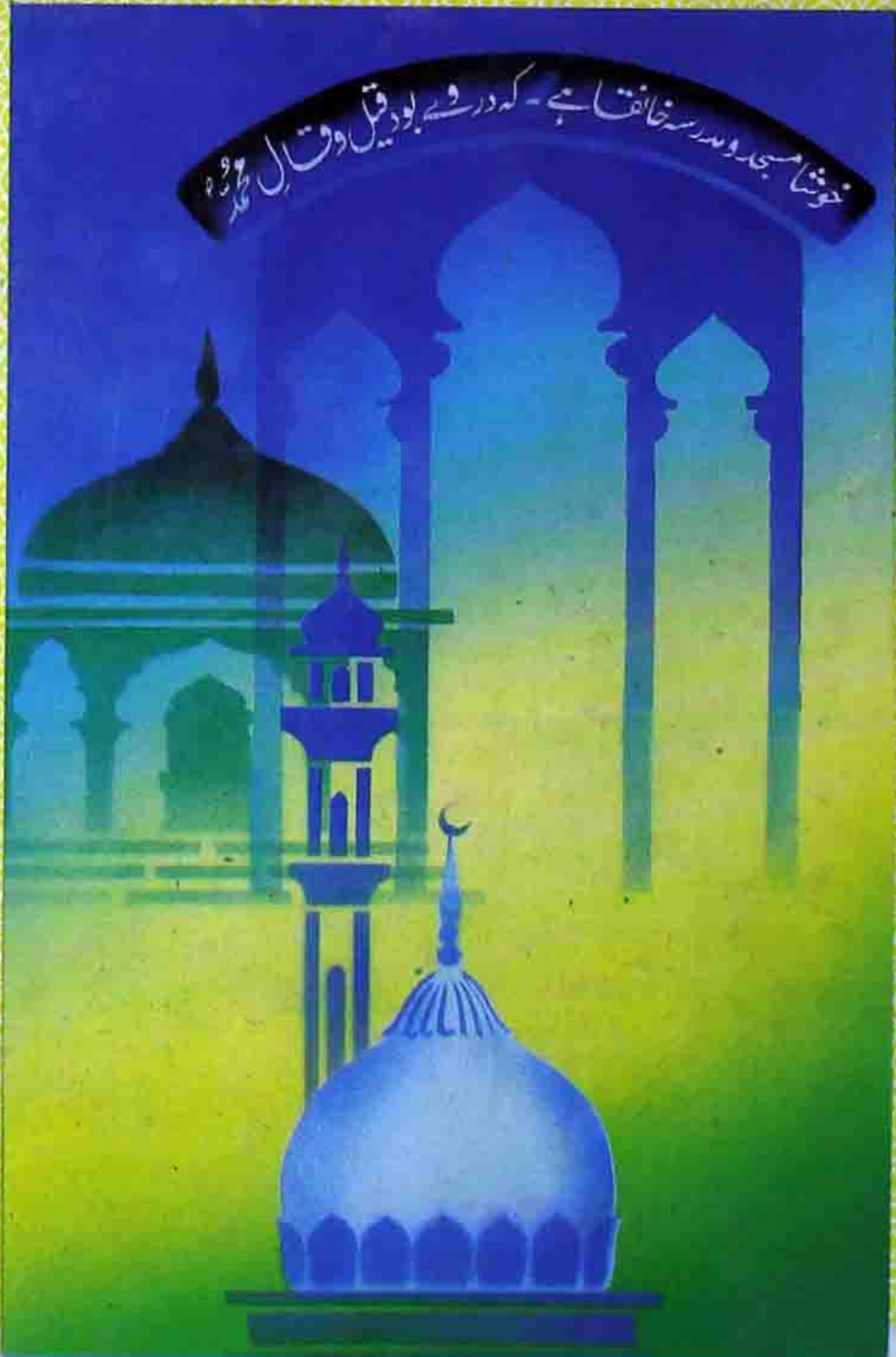


نفعی مسی و سرخا فت بے که در و بے بود قل و قل جو



# سلوک و قصہ سلوک

از فنادات

حَبْزَارَةٌ هَمْ لِعَبْرُ بَلْوَى

ایک زندہ وجاداں اور متحرک دین ہونے کی حیثیت سے اور ایک حمہ گیر نظام زندگی ہونے کے لحاظ سے یہ کیسے ممکن تھا کہ اسلام اعمال ظاہری کے خود خال تو سنوارتا۔ لیکن احوال باطنی سے صرف نظر کرتا۔ اسلام کی اعجاز آفرینی نے اکتشافات باطنی کی کشود میں وہی کمال پیش کیا کہ جس کی توقع انسانیت کو بجا طور پر اسلام سے ہونی چاہئے تھی۔

خبر القرون کے بعد جب علوم و فنون کی تدوین کا کام شروع ہوا تو باطنی معاملات کی غمہداشت و تربیت کا تعارف و تشخض لفظ تصوف سے ہوا۔ یہ عالم اسلام کی خوش بختی رہی کہ تصوف کی ساخت پرداخت کرنے والے اولین افراد ظاہر گریز، تارک دنیا طبع، اور محض عذالت گزیں طبیعتوں کے خوگر لوگ نہیں تھے۔ جو دنیا کے ہر مذہب میں کسی ثابت یا منقی عمل یا رد عمل کے نتیجے میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ دانا و بینا، جماں دیدہ، معاملہ فہم اور پڑھے لکھے لوگ تھے زمانہ ان کے کردار و عمل اور فضل و عبقریت کو تسلیم کر چکا تھا۔ ان عقل مند لوگوں نے تصوف کو کبھی بھی اسلام کے متوازی ایک علیحدہ مذہب نہیں بننے دیا بلکہ تصوف اسلام کے رگ و ریشه میں اس طرح گندھی رہی شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نام۔

آنے والے زمانوں میں البتہ یوں بھی ہوا کہ تصوف سے کچھ ایسے افراد بھی وابستہ ہوئے جو اس کے اسالیب و قوانین کو باقی نظام کے احکام و فرائیں سے علیحدہ سمجھنے لگے۔ اس کی وجہ ان کی کم علمی بھی ہو سکتی ہے اور کچھ فتنی بھی، یا پھر یہ کہ ان کی طبیعتوں کا نقش باطنی اکتشافات کی چکا چوند کو سارہی نہیں سکا۔

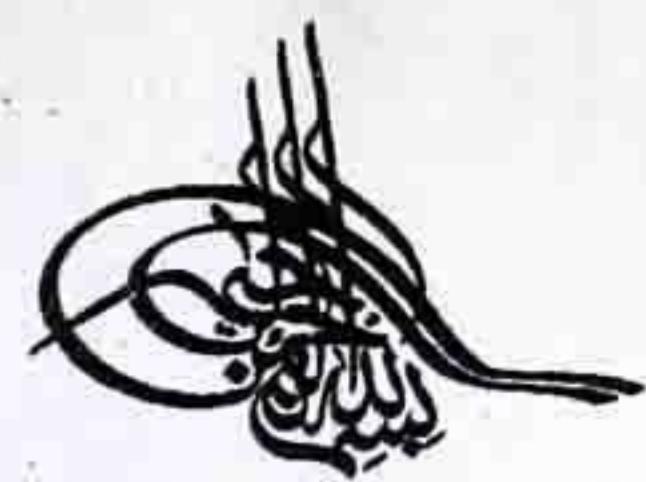
عالم اسلام کے اجتماعی ضمیر اور عمومی مزاج نے کبھی بھی ایسے لوگوں کو نہ دین کا نامانندہ سمجھا نہ ان کے خود ساختہ تصوف کو قبول عام حاصل ہوا۔ بلکہ ہمیشہ ان کے خلاف ایک شدید رد عمل بیدار ہوا۔ صوفیائے کرام کے اپنے حلقات میں ایسے

# سلوک و قصہ سلوک

## چند اہم مکاتیب

ایک تاریخ شریعت دعویدار، فقر و طریقت  
کھلڑی فہمیوں کے ازالے کے لیے لکھے گئے  
خطوط، جس میں سلوک و تصرف کھلڑی مسیح  
تاریخ و فناحت کھلڑی گئے ہے۔ رُوحِ الحاضر  
حقائق سے باخبر ہونے بے کے لیے ایک اہم  
تاریخی دستاویز، ظاہری و باطنی علوم  
سے پوری طرح آگاہ، ایک عارف  
کامل و ممکن کے قابلِ حقیقت نگار سے  
دراج میں اُتے جانے والی مخلصانہ تحریر  
از افادات

ترجمانِ حقیقت صاحبزادہ محمد عمر بیرونی  
وخت ائمۃ علیہ



## جملہ حقوق بحق ناشر

سلوک و مقصد سلوک	_____	کتاب
(مجموعہ مکاتیب)	_____	
حضرت صاحبزادہ محمد عمر بیرونی	_____	از افادات
صاحبزادہ خالد سیف اللہ	_____	ناشر
ادارہ تصوف بیربل شریف	_____	
صلح سرگودھا	_____	
"زاویہ"	_____	زیر اہتمام
	_____	حدیہ

## ملنے کے مراکز

- ☆ ادارہ تصوف بیربل شریف صلح سرگودھا
- ☆ ادارہ تصوف مسجد عمر مونی روڈ لاہور
- ☆ ضیاء القرآن پبلیکیشنز دامتکنج بخش روڈ لاہور
- ☆ المعارف دامتکنج بخش روڈ لاہور
- ☆ زاویہ ٹریڈرز C/B دربار ما رکیٹ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

5	_____	گزارش احوال
7	_____	پيش لفظ
11	_____	مقدمہ
17	_____	مکتوب اول
33	_____	مکتوب دوم
37	_____	مکتوب سوم
39	_____	مکتوب چارم
73	_____	مکتوب پنجم
77	_____	مکتوب ششم
79	_____	مکتوب هفتم
81	_____	حوالی

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق  
ہر ہونا کے نداند جام و سندال باختن

○

ترجمہ

ایک ہاتھ میں شریعت کا جام اور دوسرے ہاتھ میں عشق کی سندان (اہرن)۔  
ہر دنیا پرست (شریعت کے) پیالے اور (عشق کی) اہرن سے (برا برا) نہیں بھے سکتا۔

## گزارش احوال

ترجمان حقیقت حضرت قبلہ مولانا محمد عمر پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی عرفان الہی کی جستجو اور اس کے فیضان کو عام کرنے میں گزری۔ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں جہاں دین داری تقویٰ اور لیلیت سے معمور احباب کی قابل قدر جماعت تیار کی وہیں پر مفید عام، با مقصد تحریروں کے ذریعے بے بھی تسلیخ دین کا انتہائی موثر کام کیا۔ جسے قبول عام و خاص حاصل ہوا۔

اللہ رب العزت کے فضل سے گذشتہ کچھ عرصہ میں آپ کی تین گراں قدر تصانیف دوبارہ اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ اب آپ کے چند انتہائی اہم اور فیحث آموز مکاتیب کا مجموعہ پیش خدمت ہو رہا ہے۔

آپ کی تحریر سادہ، روایں دوایں اور حشو و زوائد ہے پاک ہے۔ خیالات و سعی مطالعہ اور گرے شکر پر مبنی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بات کو واضح کرنے اور سمجھانے کا ایک خاص اسلوب آپ کا نشان امتیاز ہے۔ تصوف کی صحیح ترین وضاحت اور موجودہ دور میں اس کے بارے میں پائے جانے والے ابهامات کے ازالے کے لئے ان تحریروں کا منظر عام پر آتا اور تمام علمی و عوامی علقوں تک پہنچانا نہایت ضروری ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر ”ادارہ تصوف“ کی نشأۃ جدیدہ کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی تمام تصانیف مرحلہ وار اشاعت پذیر ہو جائیں گی۔ اور مختلف جرائد و رسائل میں بکھرے ہوئے آپ کے مضامین بھی مختلف مجموعوں کی صورت میں سیکھا کر دیئے جائیں گے۔ اپنے مخلص احباب کے تعاون کے ساتھ ساتھ کتب تصوف کی طباعت و اشاعت کے وسیع اور معیاری پروگرام کی نیت سے معرض وجود میں آنے والا نیا ادارہ ”زاویہ“ بھی اس سلسلے میں ہمارا معاون و مددگار ہے میں محض ایک ہفتہ کے مختصر نوٹس پر اس مجموعہ کی فوری اور دیدہ زیب طباعت پر ادارہ کے کارپردازان برادرم محمد رضا الدین صدیقی اور عزیزم نجابت علی تارڑ صاحب کا تمہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ ”زاویہ“ اور ”ادارہ تصوف“ کا یہ اشتراک عمل آئندہ بھی افادیت اور خدمت کا باعث ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو بار آور کرے اور جزاۓ خیر دے۔ (آمین)

نیاز کیش

(صاحبزادہ) خالد سیف اللہ

سجادہ نشان آستانہ عالیہ مرتضویہ بیربل شریف

صلح سرگودھا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۰

## پیش لفظ

اس اشاعت کے دور میں اس کثرت سے لکھا جا رہا ہے۔ اور علوم و فنون کی اس قدر اشاعت و طباعت ہو رہی ہے۔ کہ جس کی مثال ملنا دشوار ہے۔ لیکن دین حقہ کے لئے کیا کچھ لکھا جا رہا ہے؟ اور تبلیغ اسلام و ایمان کے لئے کتنے اہل قلم مصروف کار ہیں؟ اس کا جواب ہر وہ شخص آسانی سے دے سکتا ہے۔ جس کو دین و ایمان کی حفاظت مطلوب ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ عقلیں زندہ ہیں۔ اور دل مردہ۔ جس کا سعادت مند دل زندہ ہے۔ وہ شریعت اور طریقت کے احیاء و قیام ہی کو مقصد حیات سمجھتا ہے۔ شریعت جسم ہے اور طریقت جان۔

شاہ راہ شریعت پر چلنا بھی دشوار ہے۔ چہ جائیکہ طریقت کے پل صراط پر چلنا۔ اس دشوار گزار راستے یعنی طریقت میں منزل مقصود تک پہنچنے والے بہت ہی تھوڑے۔ سعادت مند ہوتے ہیں۔ صرف یہ راستہ اختیار کرنا مطلوب نہیں۔ بلکہ اس کی ہر باریکی اور دشواری کو مد نظر رکھنا مقصود ہے۔

در کنے جام شریعت، در کنے سدان عشق  
ہر ہونا کے نہ داند جام و سدان باختن  
بہت سے لوگ صحیح جذبہ لے کر طریقت کے راستے چلتے ہیں۔  
لیکن اس جان جہاں کے آداب محوظ نہیں رکھتے۔ اور بھٹک جاتے ہیں۔

اور وہ کبھی منزل مقصود کو نہیں پاتے سب سے پہلا الجھاوا یہ ہوتا ہے۔ کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا اتصال ہے۔ اور شریعت محمدی کے جسم پاک میں ہی طریقت محمدی ﷺ کی روح پاک رہ سکتی ہے۔ اور بس۔

حافظ سلطان بخش صاحب بی۔ اے ساکن للہ شریف ضلع جملم ملڈی اکاؤنس میں ملازم تھے۔ ان کی طبیعت میں معرفت الہی کا شوق تھا۔ یہ تلاش مولا میں گھر سے نکلے۔ لیکن ظرف کی کمی تھی یا طبیعت میں تیزی کہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے۔ اور طریقت اور شریعت کو مقابل اور ضدیں سمجھتے ہوئے شریعت کی تذلیل کو اپنا شیوه بنالیا۔ اور حرام، حلال کی تیز اٹھادی اور ایسے افعال کے مرتبہ کم کے جن کا بیان بھی مشکل ہے، اور اس بے راہی کو عین طریقت سمجھ لیا اور خلاف شرع امور کی تبلیغ کو مقصد زندگی بنالیا۔ اس حال میں ان کے ہادی طریقت کا اہم ترین فرض تھا۔ کہ وہ ان کی لگام کرتے۔ اور ان کی آنکھیں کھولتے اور شریعت کے لباس میں طریقت کے انوار کا مشاہدہ کراتے۔ لیکن بد قسمتی سے ایسے ہو سکا۔ حافظ صاحب ہی نہ صرف اس غلط روشن پر جمے رہے۔ بلکہ اس سلسلے میں بہت سے بندگان خدا اسی گمراہی کا شکار رہے۔

چونکہ حافظ صاحب للہ شریف کے مقیم ہونے کی بنا پر میرے قبلہ و کعبہ سید الاولیاء محبوب الہی قطب العالم حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحب مدظلہ سجادہ نشین خانقاہ مرتضویہ بیربل شریف ضلع شاہ پور سے متعارف تھے۔ اس لئے اپنے ناقص حال کی مستی میں حضور کو بعض خطوط لکھے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ حضور ان کے ناقص حال کو سند کمال عنایت فرمائیں۔

جس کے جواب میں حضور نے سلوک اور مقصد سلوک کی دل پذیر تشریح فرمائی۔ ولایت کی حقیقت سے پرده اٹھایا۔ اور اولیاء اللہ کے اوصاف گنوائے۔ اس راہ پر چلنے کے طریقے بتائے۔ غلطیوں اور غلط نہیوں سے آگاہ فرمایا اور حقیقت واضح فرمائی کہ شریعت اور طریقت میں اختلاف نہیں۔ بلکہ ان میں جسم اور روح کا اتحاد ہے۔ اور ذکر و فکر کے علاوہ اعمال شریعت اور طریقت میں اختلاف نہیں۔ بلکہ ان میں جسم و روح کا اتحاد ہے۔ اور ذکر و فکر کے علاوہ اعمال شریعت نماز، روزہ بھی منزل مقصود کی سواریاں ہیں۔ اور صحابہ کرام کے راہ سلوک کے بھی اشغال تھے جن سے وہ وصال باللہ ہوئے۔ صرف تصور کی درستگی درکار ہے۔ تصوف کی بعض اصطلاحات کی نہایت آسان تشریح فرمائی۔ جو آپ کی تحریرات کا دستور ہے کہ فن کی مشکلات کو ایسی سلسل تشریحات سے بیان فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے کے دل سے فتنی مشکلات کا غیال تک اٹھ جاتا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے اور اپنے چند خطوط میں جس حقیقت کبریٰ کو واضح فرمایا وہ یہ ہے کہ نبوت اور رسالت پر ایمان لانے والے کے لئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ وہ نبوت کے طریق کار سے اجتناب کرے اور نبوت کے اعمال کے علاوہ کسی دوسراے عمل سے وصال الہی کا راستہ طے کرے۔

نیز واضح فرمایا کہ مجازیب اور ملامتیہ لوگوں کا معاملہ اور ہے۔ اول الذکر کی نسبت توحیدی اتنی غالب ہو جاتی ہے کہ انہیں بے اختیار شاگرد استاد ازل بنایا جاتا ہے اور ایک دم اس پر اسرار توحیدی کھول دیئے

جاتے ہیں۔ لیکن اس انتخاب میں کوئی تقلیدی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی یہ طریقہ کسی کی سنت کہہ کر جاری ہو سکتا ہے۔ یہ مذهب نہیں ہے یہ مرتبہ ہے۔

رہا ملامتیوں کا سوال! تو یہ صورت اس وقت پیش آئی جب نفس نے وصول الہی کے ثابت ذرائع میں زہر کی آمیزش شروع کر دی۔ تو بعض مخلصین نے صرف نفس کی خباثت روکنے کے لئے اور اس پاک کھانے سے زہر نکالنے کے لئے ملامت کے طریقہ کو جزاً لے لیا۔ لیکن یہ بھی انفرادی اصلاحی صورت تھی عمومی طریق کا رکھی اس کو نہ بنایا گیا۔

قبلہ عالم محبوب الہی حضرت مرشد نادام خلہ کی تمام تقریرو تحریر کا محور چونکہ فقر و تصوف ہے۔ اور اس میدان میں آپ کی زبان اور قلم سے وہ کچھ لکھتا ہے۔ جو اہل فقر اور اہل علم دونوں کے لئے یکساں مفید ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ادارہ تصوف لاہور نے حضور کی تمام تحریرات کو شائع کرنے کا عزم کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ارادوں میں برکت عطا فرمائے۔ اور شریعت و طریقت کی خدمت ہمارا مقصود حیات بنائے۔ (آمین)

قبلہ عالم کا ادنی غلام ناجیز  
فضل احمد  
احمد پارک موہنی روڈ لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۝

## مقدمة

طريقت اور مذہب الگ کوئی دو چیزیں یا حقیقتیں نہیں۔ بلکہ ایک ہی بنیاد خداشناسی ہے۔ جسے عام الفاظ میں معرفت یا گیان کا نام دیا جاتا ہے۔ بلکہ مذہب کی جان طریقت یعنی شناسائی ذات وحدت ہے اور بس۔ لیکن باñی مذہب کی شناسائی کامل واکمل ہوتی ہے۔ اس کا مزاج کلی ہوتا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے۔ بخلاف صاحب طریقت کے کہ اس کی شناسائی جزوی ہوتی ہے۔ اور یہ وقتوی حالات سے رابستہ ہوتی ہے۔ اور خاص حالات سے تعلق رکھتی ہے۔ اصلی معیار مذہب ہے۔ نہ کہ طریقت۔ بلکہ طریقت وہی ہے جو مذہبی حدود کے اندر پھلے پھولے۔ اگر مذہبی حدود سے باہر نکل جائے تو وہ اپنا اعتدال اور موزونیت کو ٹیکھتی ہے۔

عشق و محبت آزاد ہے اور ہر قید سے پاک، ایسی صورت میں مذہبی پابندیوں میں طریقت کی جگڑا اگرچہ محمود نہیں۔ لیکن بد مستی کو بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی فطرت صالحہ کسی بد نخمار، بد مست کو پسند نہیں کرتی۔ اگرچہ ایک دنیا اس بد نخماری کے نشہ میں بد مست ہو کر جھومنتی ہے۔ لیکن جھومنا اور بات ہے اور عقل و فراست کا اعتدال اور دولت ہے۔

اس لئے ہر وہ طریقت جو جادہ اعتدال سے نکل جائے۔ کسی صورت معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا۔

دیگر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی معیاری زندگی بہت بلند ہے۔ اور انسانی فطرت کے ہر جذبہ پر حدود فطرت الیہ اور <sup>کیلئے</sup> قائم کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہر فعل پر اعتدال کا معیار نمایاں کیا گیا۔ ایسی صورت میں اسلام کے اندر ہر وہ طریقت جو معیار اسلام پر برابر نہ پہنچے وہ مردود قرار دی گئی۔

خواہ اس کی فطری جاذبیت کتنی ہی عالمگیر ہو۔ اور ہر کہ وہ کو کھا رہی ہو۔ کیونکہ یہ وقتی حالات کے مطابق تو شاید کچھ پسندیدہ ہو۔ لیکن عالمگیر حالات کے لئے کسی صورت موزوں اور مناسب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس کے نقصانات اس کے فوائد سے زیادہ ہو نکلتے ہیں۔ اور وہ ”صراط مستقیم“ جو جادہ اعتدال کے لئے اللہ کی طرف فطرت کاملہ نے تیار کر رکھا ہے۔ وہی ہر زمانہ کے لئے مفید اور موزوں ہوتا ہے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا، اس طریقت کے لئے لکھا گیا، جس کے اندر محبت الیہ کی آگ سلکتی ہو۔ اور شعلہ زن ہو۔ اور جس کے اثرات ظاہر و باطن عیاں ہوں۔ نہ اس طریقت کے لئے جو صرف نام اور رسم کی ہو۔ اور جس کے اندر بناوٹ کے سوا کچھ نہ ہو۔ ایسی طریقت تو ذکر کرنے کے قابل بھی نہیں۔ اور وہ خود اور اس کے پیجاری اس دنیا اور اس عالم میں دوزخ کے چھمارے لے رہے ہیں۔ وہ طریقت ہی کیا ہے۔ جو اعتدال انسانی عقلی اور روحانی کھو پہنچے۔ اور یکسو ہو کر مخلوقات کی ہدایت شرعی کا باعث نہ ہو۔ باطنی راہ آزاد ہے، لیکن ظاہری راہ شریعت کے اندر محدود۔ اگر ایک ذرہ

بھی اوہ را وہ نکلے تو خاسر ہے۔ وہ اپنا نقصان نہیں بلکہ دنیا کے اسلام کا نقصان کرتا ہے۔ جس کی تلافی کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی درگزر کے قابل ہے۔

مجھے ان لوگوں سے ہمیشہ محبت رہی، جو اس راہِ محبت الیہ میں چلتے ہیں۔ خصوصاً جو سرکبف اور کفن بردوش ہو کر دنیا کو خیر آباد کہ دیتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی جذبہ نہیں۔ ایک پاک جذبہ ہے جس سے خدا نے قدوس تک رسائی کے منازل طے کرنے ہوتے ہیں۔ راستہ بہت دشوار، جتنا خیال کیا جاوے (ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنا پڑتی ہیں) لیکن ترک دنیا کر کے کوئی قدم باہر نکالے تو ہر منزل آسان ہو جاتی ہے۔ اور ہر کٹھن منزل پہنچ سے پہلے سر ہو جاتی ہے۔

حافظ سلطان بخش صاحب (بی۔ ۱۷) بھی ان نوجوانوں سے ہیں۔ جنہوں نے اس راہِ محبت کے طے کرنے میں دنیا کو ترک کیا۔ یہوی پہنچ دوست احباب چھوڑے ملازمت کو خیر باد کہا۔

لیکن جیسے کہا گیا ہے۔ اس راہ کے نشیب و فراز ایسے ہیں کہ سالک بے خبر ہو کر بعض وقت دین اور ایمان تک قربان کر دیتا ہے۔ منزل مقصود پر اگر کوئی پہنچ جائے۔ پھر تو کچھ ہاتھ آگیا اور استقامت سے وقت گزر گیا۔ ورنہ دین و ایمان کی بربادی کی ایسی گمراہی میں سالک پھنس گیا۔ جس سے خلاصی موت کے بعد ہو جائے تو ہو جائے، ورنہ دشت محبت کی وادی میں بھلک کر عشق و محبت کے نام سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اور اسے پتہ تک نہیں رہتا کہ کیا تھا کیا ہوا اور کیا ہو گا۔ محضی رسماء دروازے پر پڑے پڑے جان دے دیتا ہے۔

موصوف سے تحریرات کی وجہ سے شناسائی ہو گئی، اور وہ کچھ ان سے دیکھا۔ جو دیکھنے کے قابل نہ تھا۔ از راہ محبت ان کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے و تنا فوتا ان کے بعض خطوط کے جواب دیئے گئے اور بعض تحریرات ان کی طلب پر لکھی گئیں۔ جن ہے سلوک اور مقصد سلوک واضح کرنا مقصود تھا۔

احباب نے پڑھنے کے بعد اسے اشاعت میں لانے کا خیال پختہ کر لیا۔ چنانچہ عزیز قاضی محمد رضا صاحب نے ایک خدمت طریقت خیال کرتے ہوئے تمام اشاعت کے مصارف، اپنے ذمے لئے۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو اپنا بنائے اور صراط مستقیم پر چلتے ہوئے اپنے دروازہ معرفت تک پہنچائے۔ اور وہ کچھ دکھائے جس کے دیکھنے کے لئے ایک دنیا پاک سرگردال ہے۔ (آمین)

اور اہل طریقت کے لئے یہ تحریر سنگ میل راہ بنائے اور ”چدائغ راہ“ کا کام دے۔ اور شریعت غراء کا احترام اہل طریقت میں پیدا

۔ ۶۹

ان میں دو مکتوب تفصیل وار میں ہیں۔ باقی اجمالي خاکے ہیں۔ لیکن یہ بھی اپنے اندر بہت بڑی تفصیل چاہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس راہ میں قد مزن ہو چکے ہیں۔ اور جن کی استعداد علمی اور روحانی بلند ہے۔

پہلا خط اس جواب میں لکھا گیا کہ حافظ صاحب نے استدعا کی کہ اگر میں ان کے پیرو مرشد کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں تو اسلام کو بہت بڑا فائدہ ہو گا۔ جس پر بے اختیار ولایت کی حقیقت فطرتی پر چند صفحے لکھے

گئے۔ اگر غور و فکر سے پڑھے جائیں گے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ مزاج ولایت سے واقفیت ہونے کے بعد وہ تمام عقدے حل ہو جاویں گے۔ جو سا کہیں کو مدرج ولایت میں پیدا ہوتے ہیں۔

اور مکتب چارم غور سے پڑھنے کے بعد رہبر اور مریٰ کے اوصاف ضروریہ سامنے آ جاویں گے۔ کہ مریٰ کس درجہ کا ایک کامل سالک کے لئے ہونا چاہئے۔ اور سالک کیسے منازل طے کرے۔ اور منازل کیا ہوتے ہیں۔ امید ہے کہ احل نظر، غور و فکر سے میری تحریات پڑھنے کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

طالب دعا

محمد عمر (کان اللہ لہ)

بیرونی..... ۶۲۔ ۷۔ ۱۲

۱۰ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ

## مکتوب اول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محو مطلق شود ہمه عالم  
گرفقاب از جمال بکشانی

کرم فرمائے بندہ حضرت صاحبزادہ <sup>لعلہ</sup> صاحب زاد شرفہ،  
السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ خیریت مزاج مطلوب!  
جب کبھی خط آتا ہے۔ تو بہت ہی خوشی ہوتی ہے۔ کہ نوجوان  
صاحبزادگی میں ”نداق سلیم“ ہے۔ اور ایک بلند مند پر تشریف رکھتے  
ہوئے درویش اور بوریا نشینی کا شوق ہے۔ ایسے حال میں ہم خاکسار ان  
درگاہ طریقت کو آپ خود خیال فرماویں۔ کتنی خوشی ہو گی۔ اور کتنی دعائیں  
ہماری اس خوشی میں لپٹی ہوئی نکلی ہوں گی۔ اپنا حال کیا عرض کروں۔

چهل سال عمر عزیزم گذشت  
مزاج من از حال طفلی نگشت

سفر سے سیری ہوئی ہوتے تو ۲۰۷ سال گزار کر۔ الحمد لله  
آپ کو یہ دولت جوانی کے عالم میں نصیب ہوئی آپ نے لکھا ہے کہ ”نورِ  
السلام“ میں ”حقائق قرآنی“ کا مطالعہ سفر میں یار غار کا کام دیتا ہے الحمد

السلام

الله۔

مگر صاحبِ لے روزے برحمت  
کند درکار ایں مسکین دعائے  
ایک آپ کے مخلص حافظ سلطان بخش صاحب نے حال و قال پر  
تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”کہ یہ خدمت دین بقیہ عمر میں ضروری  
ہے“ بے شک ضروری ہے۔ لیکن کیا کروں کہ جب میری تحریرات کے  
ساتھ مقبولیت عامہ نہیں۔ تو ردی کی ٹوکری میں مذکور کرنے کے لئے کیوں  
اپنا خون خشک کروں۔ آپ لوگوں کی دعا کی ضرورت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان  
تحریرات کو جو خالصتاً بوجہ اللہ لکھی گئی ہیں۔ ان کو قبول فرمادے اور  
مقبولیت عامہ کا جامہ اللہ تعالیٰ انہیں پہنائے۔

آپ خود جانتے ہیں۔ جب کسی خیال کی قدر ہوتی ہے۔ تو قدر تا  
خیال ابھرتا ہے اور فراوانی کے ساتھ بہاؤ شروع ہو جاتا ہے۔

حسین کے حسن پر جب کسی کی نظر جلتی ہے۔ تو حسین کے اندر  
خوبخود ناز و نیاز کے جو ہر نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ آپ کے پچھائی صاحب  
سلہ اللہ تعالیٰ جب کچھ میرا لکھا پڑھتے ہیں۔ تو یہی بے اختیار لکھتے ہیں۔ کہ  
کاش شائع ہوتے۔ تاکہ ضائع نہ ہوتے۔ شائع کرنے کے سامان تو  
ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب تک ذہن متوجہ نہ ہوں شائع کرنے کا کیا فائدہ۔

آپ نے کئی بار لکھا ہے کہ اجازت ہو، ہم شائع کرادیتے ہیں، تو  
یہی عرض کیا گیا، خیال تو پختہ ہے کہ کوئی صورت ان کی اشاعت کی نکل  
آتی۔ اور میں اپنی آنکھوں دیکھ جاتا۔ کہ اہل تصوف کے سوابد خن لوگ  
بھی پڑھتے۔ لیکن میرے اختیار کی بات نہیں۔

خدا معلوم صحیح ہے یا غلط، اپنے انداز پر ابھی تک کسی نے ان کا مطالعہ نہیں کیا اور نہ وہ حقیقت سامنے آئی جو لکھنے والے کے سامنے لکھتے وقت تھی۔

نظراتی بلند لکھتے ہو جاتی ہے۔ کہ پڑھنے والے کے ذہن سے بہت بلند ہوتی ہے۔ اور تحریر کی سادگی اس کی بلندی کی طرف اسے متوجہ ہونے نہیں دیتی۔ وہ سادہ مطلب لے کر خوش ذوق ہو جاتا ہے۔

بعض احباب سے مشورہ ہو رہا ہے کہ سردست کون سا مضمون پہلے شائع کیا جائے؟ اور کیسے اچھے مذاق کے تعلیم یافتگان تک پہنچایا جاوے؟ اور اس کے اخراجات کا کیا طریقہ اختیار کیا جاوے۔ امید ہے کہ آنحضرت بھی اپنی دلچسپی کی وجہ سے اس انتخاب میں مشورہ دے کر ممنون فرماؤں گے۔

قرآنی حقائق کے دو حصے شائع ہو چکے۔ تیرا حصہ جو بہت سا ہے۔ غالباً ڈرڈھ سو صفحہ کی کتاب ہو گی۔ ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ بعض احباب کا خیال ہے کہ اسے اچھی صورت میں طبع کرا کر شائع کیا جاوے۔

حافظ صاحب کے خط سے جو تاثر پیدا ہوا۔ وہ میرے خیالات کے لئے ایک تازیانہ تھا۔ اور میں اس پر بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ کو چار صفحے لکھنے کے بعد کوئی رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اور آج پانچویں دن جب یہ حروف لکھ رہا ہوں تو خیال کا ابال کم ہو گیا ہے اور خیالات بھٹک دے پڑے گئے۔

لکھنا تو یہ چاہتا تھا کہ محبت اور عشق میں کیا فرق ہے اور کہ دنیا کی زندگی ”پندار“ پر ہو لیکن زندگی کا محبت پر مدار ہے یا خودی (پندار) پر؟

عام خیال یہی ہے کہ پندرہ زندگی، زندگی ہے۔ اور میرے خیال میں گو زندگی کا سارا محبت اور صرف محبت پر ہے اور اس کے سوا زندگی نہیں رہتی۔ بلکہ ایک موت ہے۔ گو جسم ہلتا جلتا اور چلتا پھرتا رہتا ہے۔

جس طرح غذا کے سوا زندگی قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح محبت کے سواروجی زندگی قائم نہیں رہ سکتی اور قرآن حکیم شاہد ہے۔

### زین للناس حب الشهوات○

ترجمہ:- شہوات کی محبت کو لوگوں کے لئے زینت دی گئی۔

محبت کی ابتداء انس سے شروع ہوتی ہے۔ اور وسطیٰ کڑی عشق ہے۔ اور آخری کڑی محبت ہے۔ انس و عشق میں دوئی ہے۔ عاشق و معشوق میں غیریت خیال ہے لیکن محبت میں یکسوئی خیالات محب اور محبوب میں ہو جاتی ہے۔ عاشق راز دان معشوق نہیں۔ لیکن محب رازدار الفت محبوب ہے۔

محبت کا تختم عام ہے۔ لیکن بے جان اور خیالات کی محبت میں وہ لطف نہیں جو جاندار کی محبت میں ہے اور پھر جاندار کی محبت میں وہ سوز و گداز نہیں جو انسان کی محبت میں ہے۔ لیکن جب اس محبت کا مطبع نظر کائنات عالم کی جان پر جاگرتا ہے تو یہ محبت وہ راز ہائے الفت پیدا کرتی ہے، جو راز ہائے محبوب لاحدود کے مقابل میں ہوتے ہیں۔ اور وہ اسرار کھلتے ہیں۔ جو دنیا اور ما فیہا کو گھیر لیتے ہیں۔ اور سوز و ساز کے وہ شعلے اٹھتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی سدا بھار رہتے ہیں۔ اور ابدی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

اور اگر مادہ لطیف ہے تو تیل یا پڑوں کی طرح گرمی کم اور روشنی زیادہ نقصان کم اور بہت کم لیکن فائدہ اور روشنی ایک دنیا کے لئے موجود ہوتی ہے۔

سالکین راہ ہدایت کے لئے اس قانون پر اگر نظر ڈال لی جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ کون ولی اللہ صاحب نظر ہے اور کون صاحب لفظ۔ اور کون اس سے بڑھ کر عارف ربانی۔

عارف وہی ہے جو اپنے جان کائنات (خدا) کا کلی عکس ہو اور دنیا کی حقیقت اس کے دل کے اندر منعکس ہو۔ کہ تمام کائنات کے اقدار اپنی مناسبت اور اپنی اپنی موزوںیت سے اپنی اپنی جگہ برابر و کھاتی دے رہے ہوں۔ اور عارف المصباح فی زجاجہ الرجاجہ کانها کو کب دری یو قد من شجرة مبارکہ زیتونہ لا شرقیہ و لا غربیہ یکاد زیتها یضیی ولو لم تمسسه نار نور علی نوری یهدی اللہ لنورہ من یشاء۔ کا نمونہ ہے۔

(ترجمہ:- چراغ ایک شیشہ میں ہے اور شیشہ گویا وہ ایک چمکتا ستارہ ہے جو زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے جونہ سورج نکلنے کی طرف ہے اور نہ سورج ڈوبنے کی طرف۔ قریب ہے کہ اس کا تیل بن آگ لگائے روشن ہو جائے۔ نور کے اوپر نور ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔)

وارفتگی صاحب حال پر واود ہوتی ہے اور اسے اپنے آپ سے بھی بے خبر بنا دیتی ہے۔ گودوں سے اس سے متاثر زیادہ ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے حال سے ناقص ہوتا ہے۔ یہی حال ہے صاحب لفظ اور صاحب

تصرف کا۔ کہ حال کے غلبہ سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن نہ علت کا پتہ ہے نہ معلوم کا نشان۔

لیکن صاحب عرفان کے لئے ایک ایک پتہ ایک ایک ذرہ اپنے حال سے خود اس کے سامنے گویا ہوتا ہے اور تمام کائنات اپنی زبان سے اپنی حقیقت اس کے سامنے پیش کر رہی ہوتی ہے۔ یہ خود پیاسا نہیں اور نہ کسی کی پیاس بجھانے کے لئے پریشان، اس کی آنکھیں مقادیرِ اعلیٰ کے سوا کچھ نہیں دیکھتیں۔ اپنی ہستی گم، اس کی ہستی گم۔ آئندہ جو کچھ اسے خیال کر لیا جاوے بجا۔ دنیا بگڑے، سورے، اس سے واسطہ نہیں وہ خود وہی ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اور جو کچھ ہو گا۔ ایسے ہی چلتا ہے جیسے چلتا ہے۔ تمام افکار سے پاک۔ ہر قسم کی خوشی و غم سے نجات۔

ہاں! جب بشریت کے تقاضے سر نکالتے ہیں تو پھر آنا فانا وہ تمام تقاضے ان کے سر پر ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک عام انسان کی سطح میں اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی زبان سے نہیں بلکہ دل سے کہتے ہیں۔ انما انا بشر مثلکم۔ تاکہ کوئی ان کی دوسری حالت پر خیال نہ کرے جو گزر گئی۔

گے بر طارم اعلیٰ نیشن  
گے برشت پائے خود نہ میشم  
ترجمہ:۔ کبھی تو ہم آسمان اعلیٰ پر ہوتے ہیں۔ اور کبھی اپنی پیٹھ پیچھے نہیں دیکھتے۔

اس وقت ایک سر اعلام الغیوب کے دست قدرت میں ہوتا ہے۔

۱۱

اور دوسرا مخلوق کے ہاتھ میں اور حکم ہوتا ہے۔ واعتصموا  
بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ وما تشاون الا ان یشاء  
الله۔ کا صحیح نمونہ جہاں وہ خود ہوتا ہے۔ وہاں وہ خود اس راز سے بھی  
واقف ہو جاتا ہے کہ خیر و شر کے مالک و خالق خود ہی تو سرکار ہیں اور  
کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے حکم کا پابند۔ اس کے ساتھ ان اللہ کان  
علیما حکیما یددخل من یشاء فی رحمته و  
الظالمین اعدلهم عذابا الیما۔ پر ایمان کھلم کھلا ہوتا  
ہے۔ اور یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ رحمت کیسی ہے اور ظلم پر عذاب کیسے؟  
جب خود ہی غافل اور خود ہی اپنی مشیت کے مالک ہیں۔

۱۲

لیکن لطف یہ ہے کہ عکس تجلی کے باوجود یعنی فاوحی الى  
عبدہ ما اوحی اور ما زاغ البصر و ما طغی کے بشریت کے  
تقاضوں پر ”فاستقم“ کما امرت فلا تتبع الهوى  
فیضلک عن سبیل۔ کے تازیانے سر پر پھرتے ہیں۔ ایسے حال  
میں سر انور کما جاوے یا بشدونوں برابر، جب یہ ہیں تو یہ، جب وہ ہیں  
تو، وہ دونوں پڑے برابر۔ فرش پر بھی ہیں اور عرش پر بھی۔ غرض  
کائنات کا حقیقی منع جسم ہے تو.... اور روح ہے تو ”بے مثل و بے  
مثال“

۱۳

مش بونے گل ہیں ظاہر صاف و کھلاتے نہیں۔  
نہ کھل کر سامنے آتے ہیں، اور نہ چادر میں لپٹ کر پوشیدہ ہوتے  
ہیں۔ جب اضطرار محبت پڑھتا ہے۔ تو سامنے آجاتے ہیں۔ اور جب ذرا  
تسکین ہو جاتی ہے تو خلوت میں چلے جاتے ہیں۔ قرآن کا حکم شاہد ہے۔

فوجد کے ضالا۔ (حیران) فہدی ہدایت (روشنی) کیا ہے؟ وہی خود ہیں اور جب طبیعت گھلنے ملنے لگتی ہے۔ تو گم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اضطرار کمال پر پہنچتا ہے۔ تو ہنسنے ہوئے کہہ دیتے ہیں۔ **وَمَا وَدَعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى ۝ وَلِلآخرةِ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَى ۝**

فطری محبت والے سعادت مند بہت کم ہیں اور خیر محبت تو دنیا کے ہر انسان کے اندر حسب حکمت رکھا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کا انس تو اس ذات اقدس کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن انس کو عشق اور محبت کے درجہ پر لانے کے لئے ذکر اللہ کرایا جاتا ہے۔ اور فرمایا جاتا ہے۔ فاذکر <sup>للہ</sup> رونی اذکر کم۔ جب یہ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ تو خالق اکبر کی محبت میں بھی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ اور جوش محبت کا اظہار اذکر کم میں فرماتے ہیں۔ پہلی طبع کے بزرگ حقیقی ولی اللہ ہوتے ہیں۔ اور دوسری طبع کے لوگ ہم رنگ ولی ہو جاتے ہیں۔ یہ ہر رنگ ولی اپنے اپنے اوصاف ذاتی کی وجہ سے لاکھوں قسموں میں بٹ جاتے ہیں۔ جیسے ہر گل کا رنگ و بوا۔ الگ ہے۔ ایسے ہی ہر ولی اللہ کا رنگ بھی اپنا منصوص رنگ ہو جاتا ہے۔ بلجے شاہ کو دیکھو اور شاہ عنایت کو دیکھو۔ ایک پیر اور ایک مرید۔ لیکن عرش فرش کا فرق ہے۔ شاہ عنایت اپنے مرید سے کتنے ہی بلند ہوں گے۔ لیکن آج تو بلحا شاہ کی حکومت ہے شاہ عنایت سے واسطہ تک نہیں۔ بخلاف بلجے شاہ گھر گھر ڈھوکی ہے اور بلحا ہے۔ اور سوز و ساز سے دنیا مست ہو رہی ہے۔ کیا حقیقتاً عنایت شاہ سے بلند تھے۔ نہیں۔ ایک جذبہ عشق تھا۔ جس کی آتش نے بلجے شاہ کو بھڑکا دیا۔ جہاں سرکار پیر تھے وہاں شاہ صاحب کی پہنچ کماں۔ یہ تو عشق کی چنگاریاں تھیں جو چمک کر

گریبانوں میں آگریں اور گریبانوں میں آگ لگ گئی۔ ورنہ اس حقیقت سے کیا سروکار جو سیدہ المرسلین الاولین والا خرین میں تھی۔

### دعا و نگاہ:

اضطرار کے تحریر پر دعا کے لائف و کلمات اٹھتے ہیں اور جب وہ شدت پکڑتے ہیں اور محبت سے بھرپور ہوتے ہیں۔ تو قبولیت کا شمرہ آ جاتا ہے۔ لیکن اب دعا ایک رسم ہو گئی ہے۔ ایسی صورت میں شمرہ کیونکر حاصل ہو۔ جبکہ دعا کا تختم یا جزو ہو۔

یہی حالت ذکر و اوراد کی ہے۔ ذکر و اذکار محبت کی آتش سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا شمرہ معارف و اسراء کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ جو سراسر روشنی اور ہدایت ہوتی ہے۔

لیکن محبت کے بغیر ذکر و اذکار ہوں۔ اور رسماہیہ کیا جاوے تو کیا اس صورت میں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ جزو کے بغیر ان کے برکات وارو ہوں؟ اور اگر کچھ برکات رسماہ دکھائی بھی دیں تو کیا ان کے اندر کوئی حلاوت اور چاشنی ہو گی؟ اور ایسے بے ذوق کھانے سے طبیعت میں خوشی و سرور پیدا ہوتا ہے؟

محبت کا تختم ہو تو پھر ذکر و اذکار ضرور تختم کو بڑھاتے ہیں اور محبت کے بڑھانے کے لئے اہل دل نے اسے ضروری قرار دیا ہے۔ لیکن موجودہ حال میں اہل تصوف اس شغل ذکر کو طریقت کی رسم سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ اور اول آخر کے ابتداء و انتہاء پر نظر نہیں رکھتے نتیجہ وہی ہے کہ شمرہ کچھ نہیں آتا۔ اور دل کی بہار ویران اور خیک ہو جاتی ہے۔ اور دل کا

سنبہ زار ہمیشہ کے لئے مرجھا جاتا ہے۔ جس کا علاج صاحب نظر کی نظر کے سوا کوئی نہیں۔

دیکھئے جب دنیا کے بادشاہ کی نگاہ کا یہ اثر ہے کہ دو جہاں کی قیمت ایک نگاہ پر قربان ہے۔ اور ایک چشم محبوب کی نگاہ پر جان و ایمان قربان ہو نکلتے ہیں۔ تو ولی اللہ کی نگاہ کرم کیونکروہ کچھ نہ کرے۔ جن کی طرف انہیں نسبت ہے۔ اور جس کی وجہ سے ولی اللہ کھلاتے ہیں۔

اہل دل کے پاس ہے ہی کیا؟ صرف یہ نگاہ! اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ نگاہ کی تفعیل بازی وہ سپہ کی تفعیل بازی جب کسی حسین کی آنکھ کے غمزے کسی حضرت زده دل پر گرتے ہیں۔ تو دنیا و مافہما بھول جاتا ہے۔ ایسے ہی جب کسی عارف ربانی کی نظر کسی کافر کے دل پر بجلی ہو کر گرتی ہے۔ تو اس کے بال بال سے اللہ ہو۔ اللہ ہو۔ لا الہ الا ہو۔ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور ایسا مسلمان ہوتا ہے۔ کہ دنیا کی گنگا میں دس لاکھ اشنان بھی اسے کرائے جائیں۔ تو دل کافری اختیار نہیں کر سکتا۔ اور مرتبے دم تک ہو۔ ہو کی لے میں دم گزارتا ہے۔ اور اسی پر جان دیتا ہے۔  
ہالا گئے وہ

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے۔

لیکن ان کی دوکان بڑھانے کا یہ مطلب تو نہیں۔ کہ یہ حقیقت دنیا سے اٹھ جائے یا اٹھا دی جائے اور یہ کہہ دیا جائے۔ کوئی ہے، تو لایے!

لیکن کوئی یہ نہیں دیکھتا۔ ان قبروں والوں میں لاکھوں ایسے سوئے پڑے ہیں۔ کہ جن کی زندگی تمام کی تمام اس مشاہدہ سے لبریز، تاریخ کے اور اق میں موجود ہے۔ اور یہ مشاہدہ تو اتر پر ہے صاحب نظر دنیا سے اٹھ گئے۔ کیونکہ نظر، نظر کو بند کرنے اور حیات سے نظر اٹھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک عام تماشائی کی طرح نظر زمین و آسمان کے قلابے ملا تی رہے تو اس نظر کے اندر تریاق جذب و محبت کیسے پیدا ہو۔ کیونکہ نظر کھلنے سے دل کے فوارے کھل جاتے ہیں۔ اور جو کچھ دل کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں فوراً "نکل جاتی ہیں اور محبت ہونے سے پہلے بیکار ہوا میں اڑ جاتی ہیں۔

نگاہ کی جو لائے عمل بھی اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب نگاہ کو ایک زمانہ تک بند رکھا جائے۔ یہاں تک کہ نگاہ کرم اور نگاہ غضب چنت، دوزخ کا نمونہ بن جائے اور پھر بھی یہ خزانہ محفوظ رہے۔ اور ضرورت پر صرف ایک نگاہ غلط سے دنیاۓ عالم کو مسخر کر کے بند کر لیا جائے۔

گفتہ تیہش سکتم نگاہ ہے  
گفتہ کم کن سکتم کہ گاہے

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسی اسلام اور اسی تصوف کی حقیقت سے آشنا کر کے ان کو اصلی اور حقیقی اسلام اور حقیقی تصوف کی طرف متوج فرمائے اور اس کا مشتق بنائے۔

تاکہ یہ عالم رنگ و بو پھر اپنے اصلی روپ میں سرا سر رحمت کا نمونہ ہو۔ اور دنیاۓ اسلام برکات الیہ سے بھر پور نظر آئے۔ اور ساری دنیا دیکھ لے کہ اسلام کا شہنشاہ حقیقی رب العالمین اپنے تمام جلوہ ہائے قدیمانہ اور جدیدانہ سے تخت عرش پر متمکن د جلوہ افروز ہے۔ اور سکھی کو

مجالِ دم زدن نہ رہے۔ اور تو کی آواز ہر سمت ہو۔ لمن الیوم۔  
للہ الواحد القهار کی صدائے۔

## اولیاء اللہ (ر حسحم اللہ تعالیٰ) کی اقسام

**صاحب نظر:** جب محبت دل پر غالب ہوتی ہے۔ اور محبت کی گرمی دل کو گرم کرتی ہے۔ تو محبت جوش میں آکر باہر نکلا چاہتی ہے۔ اس وقت یا تو محبت کا رخ زبان کی طرف ہو جاتا ہے یا آنکھ کی طرف۔ عموماً محبت کا جوش خمار کی صورت میں آنکھوں میں شعلہ زن ہوتا ہے۔ اس وقت خمار آلو دہ نگاہ جس پر پڑتی ہے۔ وہ اسے کھا جاتی ہے۔ اور پھر یہ نگاہ آنکھوں کے ذریعہ مجدوب کے دل پر عکل کی طرح جا گرتی ہے۔ اور یکدم تمام متاع دل (خیالات) جل اٹھتا ہے۔ اور صاحب نظر کی محبت کے سوادل میں کچھ نہیں رہتا۔ پھر اگر صاحب نظر کی جاذبیت میں تیزی ہو۔ اور محبت کا شمرہ پختہ ہو۔ تو پھر یہ نگاہ اپر آلو د کی چنگاری دل میں کبھی بھی نہیں بجھتی۔ خواہ اس کے بھانے کے لئے کتنے ہی جتنے کئے جاویں۔ حتیٰ کہ موت آجاوے اور پھر قبر میں بھی یہ چنگاری سلگتی رہتی ہے۔

اور اگر محبت میں استقامت نہیں ہوتی اور تیزی کم ہوتی ہے۔ تو مطیع نظر یا مورد نظر پر ایک تحلی تو ضرور وارد ہو گی۔ لیکن آہستہ دار فتنگی کم ہو کر دل ایک خاکستر ہونے کے بعد ہوائے نفس سے اور دنیا سے زندہ ہو جائے گا۔ اور پھر تمام ساز و سامان دنیاوی دل مسیا کر کے ایک دنیادار ہو نکلے گا۔

ذکر دنیا نفس مردہ کو ہوا آب بتا  
 مرکے یہ سیماں پھر زندہ دوبارہ ہو گیا  
صاحب لفظ:- محبت جب جوش کھاتی ہے اور دل کو گھیر لیتی ہے  
 تو صاحب دل کے ارادہ کو کھا جاتی ہے۔ اور اسے بے ارادہ کر دیتی ہے۔  
 اس وقت صاحب محبت جو کچھ منہ سے نکالتا ہے۔ وہ سراسر عکس روحانی  
 ہوتا ہے۔ اور <sup>۲۵</sup> وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى  
 یوحی ۰ کی تصویر ہوتی ہے ہوا سے مقصود اپنا نفسی ارادہ ہے۔ وہ گم  
 ہونے کے بعد جو کچھ ہوتا ہے۔ سراسر ذات اقدس کے انعکاس ہوتے  
 ہیں۔

لیکن صاحب لفظ کی نظر میں وہ جاذبیت نہیں ہوتی۔ جو صاحب نظر  
 میں آ جاتی ہے۔ گو صاحب لفظ کو دنیا جانے۔ لیکن انسانی دلوں کو مسخر کرنے  
 میں کچھ زیادہ محبوبیت کا رنگ نہیں ہوتا۔ بخلاف صاحب نظر کے وہ سراسر  
 محبوبیت کی شان میں ہوتا ہے۔

صاحب دل:- محبت جوش تو کھاتی ہے لیکن دل کی وسعت اتنی  
 ہوتی ہے کہ محبت اس کے اندر سکھی رہا کرتی ہے۔ نہ تو وہ دماغ پر بھلی  
 گراتی ہے۔ اور نہ آنکھوں میں کچھ زیادہ دیر خمار لاتی ہے۔ اور نہ زبان  
 بے قابو ہوتی ہے۔ بلکہ

دل	دریا	سمندروں	ڈوٹکے
کون	دلار	دیاں	جائے

ایک بحر ذخار کی طرح اندر اندر تو تلاطم ہے۔ لیکن ظاہر جسم میں  
 پورا سکون۔ آنکھ ہے تو روشن۔ زبان ہے تو شیریں۔ اعضاء ہیں تو

پر سکون۔ دل، دماغ پر ایک وقار ہے۔ اور ایک عظمت، نہ بڑھنے کی طاقت کسی کو نہ نکلنے کی بھیت۔ کچھ بختنے بنانے سے واسطہ نہیں۔ ایک ہلکی سی چاشنی محبت نمکینی صورت میں زائرین پر ہلکا سارنگ آہستہ آہستہ لارہی ہے اور کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کوئی رنگ آرہا ہے، یا جا رہا ہے ہاں! دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ ہلکا سارنگ چہرے پر ملیحانہ صورت بننا رہا ہے۔

صاحب اسرار:۔ جب محبت کی نظر تمام صفات الیہ سے بلند ہو کر صرف ذات حقہ کے حقائق و اسرار کی طرف ہو جاتی ہے اور مقادیر الیہ کی موج سامنے آ جاتی ہے۔ تو صاحب دل کی نظر میں ذات کا کوئی حصہ نمایاں نہیں ہوتا۔ صرف مقادیر الیہ اور حقائق الیہ کی موج پر نظر جمی رہتی ہے۔ اور یہ موج اس کی نظر کو پھرنا نہیں دیتی۔ اور مازاغ البصر و ما طغی کا نمونہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر بعض اوقات طبیعت شیفتگی پر آ جاتی ہے۔ اور حقائق الیہ کے اظہار پر بے اختیار زبان بولنی شروع ہو جاتی ہے۔ جبکہ بسط ہو۔ لیکن قبض کی صورت میں زبان گنگ رہتی ہے۔ اور صاحب سر ایک جاہل مطلق کی طرح حیران اور بہوت نظر آتا ہے۔

قبولیت عامہ:۔ صاحب دل کی محبت میں جب نیاز و بے نیازی کا مساویانہ امتزاج پیدا ہو جاتا ہے تو اپنے بشری تقاضوں سے بے نیازی ہو جاتی ہے اور بشریت کا کوئی تقاضا اسے نیاز مندی کی طرف گرنے نہیں دیتا اور نیاز کا جذبہ بلند عکس خداوندی "احببت ان آن عرف" کا ظہور ذات سالک پر وارد ہوتا ہے۔ تو اس نیاز و بے نیازی کے امتزاج سے ایک طرف بشریت سے بلند ہوتا اور دوسری طرف محبت الیہ کے مند جھروکہ سے جب چہرہ کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔ تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں ایک

کشش پیدا ہو جاتی ہے۔

لیکن جلائی انعکاس میں ہبیت پیدا ہوتی ہے۔ اور جمالی صورت میں محبت و انس کے پھول کھلتے ہیں۔ پہلی صورت میں باوجود مقبولیت عامہ کے دائرہ محبت کے آثار و لوازمات نہ ہونے سے خلق اللہ پر جلوہ ہائے الیہ کے آثار محبت کم ہوتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں جمال الیہ کے جذبات سالک کے دل کو محبت کی آتش سے زیادہ روشن کرتے ہیں اور سالک کا دل و جان ایک قربان گاہ ہو جاتا ہے۔ اور ہر مقابل محبت کی نظر کرم سے مسحور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور عارف کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔

”للہ“ حضرت میر علی شاہ صاحب جلال و ہبیت میں نیاز و بے نیازی کی مند پر تشریف لائے۔ اور حضرت جلال پوری اور حضرت میاں صاحب شرقپوری جمال و محبت کی نیاز و بے نیازی کے شہنشین ہوئے۔ دونوں کے متولیین کو دیکھ لیا جاوے ایک میں غور کے نشانات ملتے ہیں۔ اور ایک میں مکنت کے اثرات نمایاں ہیں۔

حضرت بیرونی ”ہبیت و جلال الیہ میں اتنے غرق تھے کہ بے نیازی کی وجہ سے نیاز متعارفہ سے کلی خالی تھے۔ یہی وجہ آپ کی مقبولیت عامہ نہ ہونے کی تھی۔ ورنہ بے نیازی میں ان ہر دو حضرات سے بلند تھے۔ اور کوئی ایک آن بھی حضور جلائیت کے سوانہ گزرتا تھا۔ اگرچہ محبت کے آثار نہ تھے۔ لیکن جلائی عظمت وہ تھی۔ کہ جس آنکھ نے آپ کے چہرہ کو دیکھا وہ ہمیشہ کے لئے آپ کے پاک چہرہ کی صورت کو دیکھتا نظر آیا اور آپ کے چہرہ کی صورت دل میں بیٹھ گئی۔ اور اس صورت چہرہ کی برکت سے ان کے متولیین کی شغل کے بغیر آخری وقت جلال و عظمت کے دریا میں

تیرتے واصل بحق ہوئے۔

صاحب جلال کی توجہ چونکہ ذات حق کے اسرار و معارف پر رہتی ہے۔ اس لئے دماغ زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اور اسرار و معارف وہ کھلتے ہیں۔ کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اور طبیعت میں ایک طوفانی رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور کناروں سے اچھل اچھل کر بعض اسرار نکلتے رہتے ہیں۔ اور جب تک وہ بیان نہ ہوں طبیعت کا جوش مدھم نہیں ہوتا اور بے اختیار زبان و قلم پر آتے ہیں۔ نہ اپنی بڑائی مقصود ہوتی ہے نہ تحسین و آفریں اور نہ ہی کسی کے دل کو روشن کرنا مقصود ہوتا ہے۔ باہر نقل آتے ہیں اور احاطہ تحریر میں لائے جاتے ہیں۔

صاحب جمال:- اور صاحب جمال سرا مر محبت ہونے کی وجہ سے بارگاہ عالیہ کے اسراء غواص کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسے صاحب جمال کے علوم و اسرار کے الفاظ بہت کم سننے میں آتے ہیں۔ بلکہ ہر لفظ اپنی سادگی کی مثال آپ ہوتا ہے۔ اور افکار علمیہ سے ایسے لوگوں لکا ذہن بالکل خالی ہوتا ہے۔ قلب سرا مر محبت کے جذبہ سے معمور رہتا ہے۔ لیکن جب رخ اور توجہ دعوت حق کی طرف زیادہ ہو جائے تو پھر ذہن دماغ ہی، اس قابل ہوتے ہیں کہ اسرار عالیہ کو سنبھال لیں۔

ہاں! قلوب اگر گرم ہو جاویں۔ ہبہت جلال اور محبت جمال سے خالی ہوں۔ تو پھر دل میں ایک سکون ہو جاتا ہے۔ اور الہام و واردات شروع ہو جاتے ہیں۔

خادم طریقت

محمد عمر (کان اللہ لہ)

## مکتوب دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ۰

عزیزم حافظ سلطان بخش صاحب زاد رشدہ۔ السلام علیکم و رحمتہ

اللہ علیہ

ہدت سے خیال آیا تھا کہ آپ کے کسی رفیق کی ملاقات ہو چنانچہ کل مولوی خورشید صاحب تشریف لائے۔ حال دیکھ کر خیال آیا شاید وہی ہیں۔ جن کے دیکھنے کا خیال تھا۔ الحمد للہ آتش ذکر و فکران کو جلا رہی ہے۔ لیکن دوسرے پہلو سے جب نظر اٹھی۔ تو وہی کچھ سامنے آگیا۔ جسے ہم اہل شریعت پسند نہیں کرتے۔ جو اصل سے نقل میں گم ہو کر رسم و رسوم ملت سے بیگانے ہو جاتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ جب بھٹی میں چڑھ جائیں تو پوری آگ سے خوبصورت اینٹ پختہ ہو کر مکان پر لگے (یعنی کامل انسان بنے) اور مسجدیں تعمیر ہوں ورنہ زیادہ آگ سے یہ کھنگر (جلی اینٹ) تیار ہونے کی پر بخور ہو کر بھرم ہو جاتا ہے۔

گو بقا کنگر کی زیادہ ہے۔ لیکن دیوار کی بنیاد کے سوا کس کام؟  
کوئی بھی سرو دیوار لگانا پسند نہیں کرتا۔

اللهم اهدنا الصراط المستقیم ۝ اللہ! ہمیں یہ می  
راہ دکھا! صراط مستقیم کیا ہے؟ ”ظاہر و باطن کی خوبصورتی“  
اور لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ۝ ہم نے  
انسان کو بہترین بناؤٹ دی۔

انسانیت انسانیت کے جائے میں، بھی اسلام ہے!  
کھدر پوش کا جسم کتنا ہی خوبصورت ہو۔ لیکن کھدر کا لباس اس  
کی خوبصورتی کو ڈھانپتا ہے۔ اور مردہ جسم پر کتنے خوبصورت لباس سے  
آرائیگی کی جائے۔ لیکن اندر کھو کھلا ہے۔ ظاہری آرائیگی جب زیادہ ہو گئی  
اور اندر خالی، (مشی بھری ہڈیاں) تو اہل فکر نے ظاہر چھوڑ کر اندر کی طرف  
تجہہ فرمائی۔ تاکہ روحانی علاج سے روح کو مجاہدہ کی بھی میں دے کر  
مشابدات روحانی کو تقویت دی جائے لیکن بعض وقت اتنی گرم ہو گئی کہ  
لوہا پکھل کر مشی میں مل گیا اور مشی ہو گیا قلب میں ڈھالنے کی نوبت تک نہ  
آئی بھی غیر شعوری طور پر مجاہدات کی بھی اتنی گرم ہو گئی کہ لوہا پکھل کر  
مشی میں مل گیا اور مشی ہو گیا قلب میں ڈھالنے کی نوبت تک نہ آئی آگ  
سر سے نکل گئی۔ لیکن کاریگر کی غفلت سے کیا کرایا ضائع ہو گیا۔

خلق الانسان من نطفہ فاذ اہو خصیم مبین ۝

یہ انسان کتنا خصم مبین (جھکڑا لو) ہے۔ کہ اللہ جل شانہ کا مقابل  
ہو بیٹھتا ہے۔ اس خصم مبین کو اس سخت حکمر سے اٹھانے کے لئے آتش  
محبت کی بھی میں ڈال کر پکھلایا جاتا ہے تاکہ اس میں (انسانیت) کشہ ہو

جائے اور اکسیر ہو جائے۔ صرف مٹی بناانا مقصود نہیں۔

ساںک اور (مجذوب) میں یہ فرق ہے کہ وہ (ساںک) اپنی مرضی سے کرتا ہے اور یہ مجذوب بلا مرضی چلتا ہے۔ وہ اپنے متولین کو جادہ شریعت سے ایک قدم باہر نہیں لٹکنے دلتا اور شریعت کے حدود کے اندر انہیں مجاہدات اور مشاہدات میں رکھتا ہے۔ لیکن مجذوب بے اختیار ہوتا ہے۔ جس طرف کوئی مادہ یا روح رخ کر گئی اس طرف کی ہو گئی۔ خواہ مفید ہو یا غیر مفید۔

لیکن جب ایک ساںک سے مجذوبوں کے سے جذبات ابھرنے لگیں تو شریعت الیہ کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے۔ اور اسلام کا کیا وقار؟ آخر دنی بے دینی نہ ہو گئی۔ جس کے قلع قع کے لئے اسلام آیا۔ اور جس کی مثال دنیا کے ہر کونے میں ملنگوں کی صورت میں موجود ہے۔ پھر مجددیت اور اشغال نقشبندیہ سے کیا فائدہ! جب تک کہ نتائج شیخ مجددؒ کے سلوک اور اتباع سنت کے ہی خلاف سرا سر پیدا ہوں۔ یہ کارنامہ میرے نزدیک کچھ کم نہیں کہ موجودہ دنیا کو دنیا داری کے دھارے سے نکال کر ان کی ہستی کو موہوم ہستی بنا دیا جائے۔ لیکن اس فتاویٰ کا کیا فائدہ جب اس کی بقاء بقاء اسلام کی صورت میں دنیا میں نمودار نہ ہو۔

زیادہ کیا لکھوں۔

دریں درط کشتی فروشر ہزار  
کہ پیدا نہ شد تختہ برکنار

حدی فرماتے ہیں۔

خلاف پیغمبر کے را گزید  
 کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہ رسید  
 پسندار سعدی کہ راہ صفا  
 توں رفت جز درپے مصلفے  
 منزل مقصود فانہیں۔ بلکہ بقا۔ اور بقا اس وقت حاصل ہوتی ہے۔  
 جب اتباع نبی کریم ﷺ پر چلنے کی توفیق نصیب ہو۔

داویم تراز گنج مقصود نشانے  
 گرمانہ رسیدیم تو شاید برسی

عاجز سراپا غفلت و نگ اسلاف  
 محمد عمر (کان اللہ لہ)

## مکتوب سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۝

تیرے و یکم نوں سکدے نہیں میرے      میرے سوھنے میرے گھر جھات پائیں  
گنگار اکھیاں نا ویکھ سکن      دگرنہ تیرے جلوے ہر کدا نہیں  
جو سیس تلی پر دھرنہ سکے وہ پریم گلی میں آئے کیوں  
جو طعنے جگت کے سکے پتیم سنک پریت لگائے کیوں

اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ جو اس کی تلاش میں دیوانہ وار  
پھرتے ہیں۔ منزل دور اور راہ پر خطر۔ جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے بہت  
دور۔ لوکھوں کروڑوں درجہ منزل دور۔ آوارگی منزل جب ختم ہوتی ہے  
اور سکون آتا ہے تو یار پہلو میں نظر آتا ہے۔ جسے یار لوگ حق سمجھتے ہیں۔  
حق اس حجاب سے پرے پرے ہے۔ دل میرا بھی کسی دیوانے کو گاہ گاہ دیکھنا  
چاہتا ہے۔ لیکن وہ دیوانہ جو بکار خویش ہو شیار ہو۔

زی دیوانگی..... صرف دیوانگی ہے۔ نہ اپنا پتہ نہ ان کا پتہ۔  
ہوش بھی پسند نہیں کہ ہوش میں ایک چھوڑ لاکھوں خدا سامنے آبیٹھتے ہیں۔

اب کس کس کی پوچا کی جائے۔ ایسے پچاری کا خدا حافظ جو جیتے جی آگ میں  
جھلس رہا ہے۔

ہوشیار دیوانہ ہو جائے ار دیوانہ ہوشیار۔ اس صورت میں نجات  
ہو جائے۔ تو ہو جائے۔ ورنہ اس جنجال سے کون خلاصی پاسکتا ہے۔ جب  
خود جنجال ایک حقیقت بنالی گئی ہو..... زیادہ دعا۔

محمد عمر (کان اللہ لہ)

## مکتوب چہارم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم○

عزیزم ولنواز حافظ صاحبزادہ رشدہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

دونوں خط آپ کے پہنچے آپ کی خوش عقیدتی سے خوشی ہوئی۔

”من آنم کہ من داغم“ از خبث بالنم سر خود نمادہ پیش۔“ لیکن ج کہوں۔ یہ خوش عقیدتی کبھی تو آسمان پر پہنچاتی ہے۔ اور کبھی اسفل الساقین تک۔ مربی کامل آسمان پر لے جاتا ہے اور ناقص زمین کے سیاہ کلمات میں داخل کر دیتا ہے۔

مجھے آپ کے اپنے گمراہنے سے خوشی بھی ہوئی۔ مبادا کوئی کہ دیتا کہ ناقص کی محبت نے ناقص کر دیا ہے۔

راہ و رسم الگ ہیں۔ آپ سراسر نماز۔ ہم سراسر نیاز۔ ایک

طرف قدس کے انوار ایک طرف گناہ کے حجابات۔  
ایک طرف قبولیت کا آفتاب۔ ایک طرف یاس و نامیدی کے

بادل

زہد و تقویٰ چیت اے عالی جناب بر مراد خود گھٹن کامیاب  
قبر و قیامت کے عذاب کا خوف ایک طرف۔ اور دوسری طرف  
ہر خیر و شر سے بالاتر۔ نہ قیامت کا خوف، نہ رسول کا خیال۔ ایک اور  
صرف ایک۔ لیکن جب ایک ہے تو سکون ہی سکون ہے۔ اضطرار تو اسی  
وقت حرکت پیدا کرتا ہے جب، و سرا ساتھ ہو۔

رسالت کے سوا وہ خود ہے ہی کیا؟ یہ دنیائے ہست و بود رسالت  
کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ وہ تھا، تھا کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ رسالت آئی دنیا  
کو روشنی حاصل ہو گئی۔ کہ ہے اور سب کچھ وہی ہے۔ ورنہ آفتاب تھانہ  
ماہتاب۔

رسالت کے ورق کوئی بہادر ہی الٹ سکتا ہے۔ ہم جیسے اس کی  
ہمت کیسے کر سکتے ہیں۔ بھر صورت ہم جیسے سیاہ کاروں کے۔  
قسمت میں آیا کہ تو پاک ہے اور ہم ظالم۔ لا الہ الا انت سبحانک  
انی کنتم من الظالمین۔ ہم خود کچھ نہیں۔ وہی لا شریک ہے۔  
گواں نکتہ کے حال سے اہل حق بھی سرفراز ہیں۔ لیکن جب اپنے پرائے  
کا خیال نہیں۔ تو پاک کون اور ظالم کون؟ نہ اتصال نہ اتحاد۔ ایک مستقیم  
ہے جو قابل اعتبار نہیں۔ گو دنیا کے مالک ہوں۔ لیکن کیسے۔

”آنچہ استاد ازل کفت ہماری گویم“

لف یہ ہے اس خیال سے بھی پاک۔ گفت اور گویم سے بھی

پاک۔

رازدان سے راز کا ذکر کرنا عبث نہیں۔ لیکن ایک بیگانہ سے راز کھنا اپنا موت کا خریدار ہونا ہے اور سوی پر چڑھنا ہے۔

اہل رسالت کسی وقت بھی آداب خداوندی سے بے نیاز نہیں ہوتے۔ بلکہ جمال و جلال اور عظمت الیہ کے سامنے سزا مسحود رہتے ہیں۔ اور ایک ایک ادب حق سماں کی پاسبانی پر سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے رحمت حق جل شانہ کے خاص فضل کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور عبدیت و معبدیت کی شان کو ہر لمحہ بلند سے بلند کرتے رہتے ہیں۔

بخلاف اہل حق۔

کہ وہ مشاہدہ حق میں غرق ہونے کی وجہ سے نہ اپنا پتہ رکھتے ہیں نہ ان کے نشان کا پتہ ہے۔ ایک محیت ہے اور ایک بے حجابی ہے۔ جیسے خود لاپروا ہیں ایسے ہی ذات حقہ کو لاپروا جانتے ہیں۔ گو مظاہر قدرت کا وسیع مطالعہ سامنے ہے۔ لیکن ذات حق ان سے پوشیدہ ان مظاہر کی وجہ سے رہتی ہے جو کچھ کرتے کراتے ہیں۔ وہ بھی اجر کے قابل نہیں کیوں کہ جب وہ خود نہیں کرتے تو اجر کیسے؟ اور رحمت خاص کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔ جب طلب نہیں۔ نیاز نہیں۔ رو برو دیکھنے والی آنکھوں میں حیا کیسے آسکتا ہے۔

فقر و فاقہ کے نمونے لاکھوں ہو چکے۔ جب سے رسالت اور قرآن کا نقشہ اٹھا دیا گیا۔ یار لوگ اس بے حجابی سے خوش ہوں تو ہوں۔ لیکن ہم جیسے گناہ گار تو بے حجانہ کسی کو دیکھنا عیب خیال کرتے ہیں۔ اپنا پردہ ہے تو اس کا پردہ کیوں نہ ہو لیکن وہ مرد کیا ہیں جو اس کو بے پردہ دیکھ کر خود بھی

بے پردہ ہو بیٹھیں اور بر سر بازار نگاہان پختے پر فخر کریں۔

اپنا اپنا مشرب، اپنا اپنا حال، جب درمیان سے پیرو مرشد کا واسطہ اٹھ جائے اور پر دگی حاصل نہ رہے۔ تو پھر اسلام کو دین بنانے کی کیا ضرورت۔ بے دنیٰ دین ہو جاتا ہے۔

نہ شبنم نہ شب پر حتم کہ حدیث خواب چون غلام آقا ہم ہمہ ز آقا گویم

رسالت عی ذریعہ رشد و ارشاد ہے اور جو طالب حق اس سے آگے نکل جاتا ہے۔ اور نمونہ حق ہو بیٹھتا ہے۔ وہ خود روشن ہو کر اپنی زندگی کے ساتھ بچھ جاتا ہے۔ لیکن یہ طالب بھی اسی راہ سے اس حد تک پہنچتا ہے۔ اور جن سالکن کو اس درجہ کے لئے جن لیا جاتا ہے وہ اکا د کا ہوتے ہیں۔ یہ کبھی بھی نہیں ہوا کہ اس راہ کے تمام سالک مجدوب ہو کر ہیشہ کے لئے دنیا سے الگ روشنی پیدا کریں۔

سلسلہ نبوت ا خود دیکھئے کتنا بلند ہے۔ لیکن عبدیت کی صورت میں ہیشہ نمودار ہوا اور ایک بھی معبدیت کے روپ میں ظاہر نہیں ہوا۔ یہ آتش ایسی ہے جو متعددی نہیں اور جس کے تمام اثرات اپنے اندر ہی جذب رہتے ہیں۔ مجازیب کے خدمت گزار بڑے جانuar ہوتے ہیں۔ کیوں کہ مجدد اور قلندر کو "ہیولی حق" خیال کرتے ہیں۔ لیکن مجازیب کو ہیولی خدا سمجھنے کے باوجود اکثر اوقات یہ تمام خالی رہتے ہیں۔ وہ ایک دو کا بھی اپنا عکس جمالی نہیں بناسکتے۔ اگر کچھ ہے بھی تو پھر قبری قبر ہے۔ وہ بھی دنیاوی فوائد کے لئے۔ کسی روحانی جذب کے لئے نمائندگی نہیں کرتی۔ کیونکہ جاذبیت اور ملاحظت اس مزاج میں نہیں۔ اس کی ادوا لفربیب نہیں

ہوتی البتہ نگاہ دلدوڑ ضرور ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کا ماحول بھرپور رہتا ہے پھر بھی وہ جازبیت نہیں جو کسی عمل پر آمادہ کرے۔ ہستی و سکر ہے اور بس۔

اتباع نبوت نے ہی صبغہ اللہ و من احسن من اللہ صبغہ۔ کارنگ دنیائے عالم کو دکھایا۔ کہ الٰہی رنگ کیا ہے؟ اور بھونڈی صورت کے پسند ہے اور اس کارنگ روپ کیا؟ لباس نبوت میں جب نور الٰہی کی چمک چمکتی ہے۔ تو آنکھوں اور دلوں میں خنثک آتی ہے۔ بے حجاب صورت دیکھنے والی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ اور آخر دیکھنے سے عاجز ہو جاتی ہیں۔ دل میں کتنا ہی شور ہو۔ صرف شور ہی ہے۔ سکون کیسے؟

سکون قلب کا نام اطمینان قلب سے قرآن حکیم نے تعبیر فرمایا اور یہ دولت اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب نبوت کے معارف اعمال کا برقعہ اوڑھ کر دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ہاں ایک ذاتی بے باکی جذب میں ہے۔

بیا جائیں تماشاکن کہ در انبوہ جانبازال بعد سلان رسوانی سر بازاری رقص یہ ناج اپنی جگہ تو سرستی کی آخری کڑی ہے۔ لیکن انجمام کار یہ کیا ہے وہی اپنے آپ میں خود جلنا اور مرنا

قلندر خود تماشا ہے۔ کسی کا تماشا دیکھنا اور دکھانا قلندری کے برخلاف ہے قلندر وہی ہے۔ جو خود ناچے کسی کو نچانے سے اسے کوئی تعلق نہیں انسان اشرف الخلوقات اسی وجہ سے ہے کہ اس میں تمام کائنات کے

رنگ موجود ہیں۔ اور ہر چیز سے اسے حصہ دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی خوراک کائنات کی ہر چیز سے بنائی گئی ہے۔ نباتات کے ہر قسم سے اشجار کے ہر قسم سے، اور جانوروں کے ہر قسم سے غرض جو کچھ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت کے لئے۔ بخلاف دیگر حیوانات اور طیور کے۔ کسی کے حصہ میں کچھ اور کسی کے کسی کے حصہ میں کچھ۔ جیسی خوراک۔ ویسا ہی اس کا مزاج کسی میں انسانی اعتدال نہیں۔

بعینہ یہی صورت روحانی غذا کی ہے جب تک روحانی غذا بھی مختلف نہ دی جائے۔ تو روحانی مزاج بھی اعتدال کھو بیٹھتا ہے۔

مجاذیب وہی ہوتے ہیں۔ جنہیں روحانی غذا حسب طبع مختلف اعمال و اشغال سے نہیں ملتی۔ صرف کسی ایک عمل کی مشق سے ابتدائی نقطے سے ہٹ کر روحانی اعتدال کھو بیٹھتے ہیں اور ایک مجنونانہ صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

اس لئے اتباع نبوت ہی کے اعمال و اشغال مفید اعتدال ہوتے ہیں صرف ذکر اللہ پر اکتفا نہیں۔ بلکہ نماز سے نقطہ آغاز ہوتا ہے۔ زکوٰۃ اور روزے سے راستہ طے کرایا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ذکر اللہ سے طبیعت کو بلند اور صاف کیا جاتا ہے۔ اور شریعت غرائے لوزامات سے طبیعت کو پابند بنایا جاتا ہے۔ تاکہ صحت مزاج روحانی قائم رہے۔

جس طالب حق نے یہ راستہ اختیار نہ کیا۔ وہ آخر کار اپنا مزاج اعتدالی، روحانی برپا کر کے تماشا گاہ عالم ہو بیٹھتا ہے۔ اپنا تو سب کچھ برپا کر بیٹھتا ہے دوسروں کا گھر بھی برپا کرنے سے نہیں چوتا۔ اور جانتا بھی نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ آخر وہ آیا کیوں؟

ہاں ایسے لوگوں کی حقیقتاً ضرورت بھی ہے۔ کیونکہ کائنات اسی وقت دیدہ زیب ہوتی ہے۔ جب وہ سب کچھ ہو جو ہونا چاہئے۔ مرچ مصالحہ بیکار نہیں۔ گو مرچ کڑوی تو ضرور ہے لیکن اس کی ضرورت بھی ہے۔ لیکن چینی کا مقابلہ کیسے کر سکے۔ وہ ہر دل کو موہ لینے والی اور یہ صرف مصالحہ اور علاج کے لئے اس لئے کسی طالب کا یہ مدعا کہ وہ ملنگ ہے قلندر ہے۔ سراسر غلط ہے۔ ہاں جس کو وہ خود چن لیں وہ درست اور صحیح۔

طریقت کا مقصود بندے کو بندہ بنانا ہے۔ نہ کہ خدا بنانا نفس کی

شناخت سے بندہ، بندہ بنتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ولَا تَكُونُوا كَالذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَإِنْ سَاهَمُوا نَفْسُهُمْ أَوْ لَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

ترجمہ:- تم ان لوگوں کی طرح نہ بن جانا جو اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھے پس اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے نفس بھلوادئے۔ وہی گناہ گار ہیں۔

کسی کا یہ خیال کہ مجازیب (جو نشانات الیہ ہوتے ہیں اور وہ خدائی رنگ لئے ہوتے ہیں) پھر کیوں بنائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ سوچا نہیں جاتا کہ آخر نشانات الیہ ہی اس کی ہستی کا ثبوت کھلا ہو سکتے ہیں۔ مظاہر قدرت میں یہ چیز بھی داخل ہے۔ اور عوام پر تو ان کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور منکر خدا لوگ ان کے کاریاموں سے متاثر ہو کر خدائے قدوس پر ایمان لاتے ہیں۔ فطرت انسانی وجد ان الٰہی سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن بشری تقاضے حجابات ہیں۔ جب تک یہ حجابات سامنے سے اٹھائے نہ جائیں اس وقت تک ایک فطرتی موحد بھی کھلے دل سے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ صدیق جو شہنشاہ تھے۔ عمر جو شہنشاہ تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

کی ذات بابرکات نے ان کے دلوں پر دے چاک کر دیئے۔ گویا جب سے آپ کی ذات بابرکات تشریف لائی۔ خود بخود حجابت نفسی دور ہوتے گئے۔ اور دل کے چشمے توحیدی پھوٹ پڑے۔ اور دل کی آنکھیں بیدار ہو کر روشن ہو گئیں۔

خیال ہو کہ مجازیب کے سوا سا لکھن راہ ہدایت و منصب دار ولایت کیا نشانات الیہ نہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ لیکن بے لباس تنخ بے نیام کی چمک و دمک اور ہوتی ہے اور نیام بند لباسی صورت میں وہ رعوب پیدا نہیں کر سکتی۔ جیسے بے نیام جو کھلی فضائیں لراہتی ہو۔

لیکن نہ یہ بنانے کا راستہ ہے کہ طریقت ان کو بنائے اور نہ طریقت کا یہ مقصود ہے بلکہ یہ تحلیقی عزت ہے۔ جو فطرتاً دی جاتی ہے۔ اور جذب و سکر کسی کو ایس جانب لے جائے تو لے جائے۔ جس نے تزکیہ نفس کا دعویٰ کیا۔ وہی ہلاک ہوا اور جس نے تعمیرات نفس کا اقرار کیا۔ وہ نجات پا گیا۔ فلاتذ کو افسوسکم هواعلم بمن اتقی۔

ترجمہ:- تم اپنے نفسوں کی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو متقی ہوا تزکیہ کی یہ صورت کہ احکام الہی کا اٹ کر کے نفس کو پاک کیا جائے۔ ہماری سمجھہ ہی سے نہیں۔ بلکہ عام سمجھہ سے بھی بالاتر ہے۔ بلکہ احکام الہی کے کامل ادا نہ کرنے سے جو تعمیرات نفس کے سامنے آتی ہیں۔ وہ نفس کی اصلاح کے لئے بہت بھاری ہیں۔ برخلاف اس کے کہ سر بازار جوتے کھائے جائیں اور دل میں ہو کہ ہم پاک ہو رہے ہیں۔ نفس کی رعوت بڑھائیں گے یا کم کریں گے۔ جو خیال اپنے نفس سے باہر چلا جاتا ہے۔ وہ رعوت بڑھاتا ہے گھٹاتا نہیں۔

آج جو ملنگ بنے پھرتے ہیں۔ کیا ان کے دل میں تذلیل پیدا ہو رہی ہے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ ابھی ملنگیت سے ان کے نفس میں ہر آن ایک آگ شیطانی چمکتی نظر آتی ہے۔ سوچنے اور خود سوچنے۔ موجودہ دور میں تو اس راہ میں خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ اور کوئی نیک پلو سامنے نہیں آتا۔

ہاں اجب پہلے یہ طریقہ ملامتیہ پیدا ہوا۔ اور جب اس طریقہ ملامتیہ کا کسی کو پڑتے بھی نہ تھا۔ تب کچھ مفید تھا۔ کیونکہ اس وقت آفتاب شریعت اوج سما پڑتا تھا۔ اور کوئی ذرا سی حرکت بھی شریعت کے برخلاف ہوتی۔ تو دنیا اسے سخت ذلیل جانتی تھی اور اسے ٹھکانہ نہ ملتا تھا۔ موجودہ وقت میں تو ملنگ بنتا۔ احترام پیدا کرتا ہے اور دنیا کی آنکھوں کو اپنی طرف پھیرنا ہے۔ ایک وقت تھا جب سالک چلہ کشی کے لئے جنگل جاتے تھے کہ کوئی خالی جگہ ملے اور اللہ اللہ کریں اب جنگل آپا وہیں۔ صحراء آبادی سے بھرپور ہیں اگر خلوت ملتی ہے تو مسجدوں میں۔ وہاں جائیے۔ دن بھر کوئی آدمی مسجد میں داخل نہیں ہوتا۔ نمازیں پڑھنے سے ہزاروں عیوب کا سکر لگا دیا جاتا ہے۔ ڈاڑھی رکھنے والوں کو برا خیال کیا جاتا ہے۔

اور ان کے عیوب پیش کئے جاتے ہیں۔ اور انہیں ذلیل کرنے کے لئے رنگارنگ باتیں گھٹی جاتی ہیں۔ حج کرنا تمام جہان کا نشانہ بنا ہے۔ بات بات پر کہا جاتا ہے۔ کہ حاجی ہے نا! ان کو سب کچھ روایتی۔ حج کیا گیا تو دولت ڈھیر لگانے کے لئے ایک بمانہ بنایا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اگر واقعی ملامتیہ فرقہ کا چوبہ حاصل کرنا ہے۔ تو آج عبادتی طریقہ پڑھنے اور شریعت پاک کا جب پہنچنے سے تمام ملامتیں گھر بیٹھے مل جاتی ہیں۔

ایسی صورت میں شیطانی ملامتوں سے نفع اٹھانے کی جگہ رحمانی ملامتوں کو یہ  
کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ اور طریقت کو جرا "شریعت کے لباس میں کیوں نہ  
پیش کیا جائے۔ ظاہرا "مولوی ہو باطنًا" سرمست فقیر۔ نور سے بھر پور ہونے  
کے ساتھ چہرہ صہرا اور لباس بھی نور سے بھر پور ہو اور دین کی عزت پیدا  
ہو۔

یہی وہ راہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول محمد ﷺ نے  
اپنی مخلوق اور امت کے لئے بذریعہ دعا اهدنا الصراط  
المستقیم پسند اور طلب فرمایا۔  
کیا شریعت کو لے کر کسی دوسری راہ پر چلنا۔ مسلمانی ہے اور  
طریقت ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

خلاف پیغمبر کے را گزید کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید  
منبی طریقت کی یہ روشن کہ خود تو راہ روان (شریعت) پر چلے۔  
اور اپنے بچوں (مریدوں) کو جنگل بیلے کی راہ بتلا کر چور دروازے سے  
داخل ہونے کا طریقہ سکھائے۔ کیا درست ہو سکتا ہے؟ رہبر ہے تو خود اس  
راہ پر چلے۔ جس کی ہدایت دے رہا ہے۔ اور بچوں کے ساتھ چلے۔ تاکہ  
وہ راہ پر خطر سے بھول کر کسی گڑھے میں پڑ کر راہ ہدایت سے بھٹک نہ  
جا سکیں۔

انسان ہمیشہ اس راہ کی نشان دہی کرتا ہے۔ جس پر وہ خود چلا  
ہوا اور جس کے ذریعہ اس نے راستہ طے کیا ہو۔ نہ کہ اس راہ کی جو خود  
نہیں دیکھا اور نہ کسی دکھانے والے نے دکھایا ہو۔

اور لطف یہ ہے کہ اس راہ کو خضری راہ کہا جاتا ہے۔ خضر تو اللہ

تعالیٰ کے حکم سے (حکمتیں) دکھاتے تھے۔ اور اس کی معرفت کا ایک نشان دکھایا تھا۔ اور یہاں ایک زندگی کی کایا پلٹی جا رہی ہے۔ کہ شریعت کے الٹ سے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں۔

بُسْ تِفَوْتُ رَاهَ ازْ كَجَاستْ تَابُكْجَا<sup>۱</sup>  
 اقبال کے ایک ہی شعر پر دھیان کر لیا جائے۔ کیا خوب لکھتے ہیں۔  
 خودی کی تندی و شوختی میں کبر و ناز جو ناز بھی ہے تو بے لذت نیاز نہیں  
 نہیں دیکھئے۔ کتنا بلند اور نازک مسئلہ کس خوبی سے آسان الفاظ میں  
 پیش کرو دیا۔

فقر کے اندر تندی۔ شوختی۔ کبر اور ناز کا نام و نشان نہیں۔ اگر  
 کسی میں خودی آبھی جائے تو پھر نیاز کا جو ہر اتنا ہوتا ہے۔ کہ وہ نیاز اس کو  
 توڑتی رہتی ہے۔

خدا کیا ہے؟ سراسر ناز۔ بندہ کیا ہے؟ سراسر نیاز۔ خدا نیاز سے  
 پاک اور بندہ ناز سے پاک ہے۔ یہ ہے انسانیت کہ سراسر نیاز عبودیت میں  
 گم ہو اور سرگمگوں۔ نہ یہ کہ عبودیت کے تمام آداب توڑ کر حکومت ناز پر  
 جا قدم ٹکائے۔

فَلَاتَزَكَوْا إِنْفَسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ أَتَقَىٰ۔<sup>۲</sup>  
 بلند جملہ قرآن حکیم سورۃ النجم میں اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

عشق و محبت عنایت ایزدی ہے جو کسی کو دی جائے۔ گو دنیا محبت  
 سے خالی نہیں۔ اور کوئی تشفیس محبت فطرتی ہے محروم نہیں۔ لیکن اس  
 درجہ کی محبت جسے عشق کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بہت کم خوش بخت

انسانوں کو نصیب ہوتی ہے۔ یہ دولت۔ ”والله یختص بر حمته من یشاء“ سے خاص ہے۔ عشق ایک سوز ہے۔ اور محبت ایک گداز ہے۔ ابتداءً محبت، انتہا محبت درمیان میں عشق کی سرستیاں کو دتی پھرتی ہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ صراط مستقیم چھوڑ کروہ راہ اختیار کی جائے جس میں ہلاکت کے سامان زیادہ ہیں۔ اور جس کوچہ میں داخل ہو کر بست کم کامیاب ہوتے ہیں۔ کیا خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو صراط مستقیم پر چلاتے ہوئے سا لکھن کو پختہ سڑک اور ہرے بھرے درختوں کے سایہ میں منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور ہر منزل پر پورے اطمینان سے ان کا قیام کرواتے ہیں اور خوشی خوشی حرم ناز میں داخل فرمادیتے ہیں۔

## طریقت اور مقصد طریقت

یعنی سلوک اور اس کا مقصد

**یادِ الٰہی:** - یادِ الٰہی سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اسے اہل طریقت ”نبت“ کہتے ہیں۔ اس حال کی ابتدائی کیفیت جب اپنے عروج پر پہنچتی ہے۔ تو مجددی سلسلہ میں اسے ”ولایت صغیری“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر جب وہ کیفیت ترقی کرتی ہے اور ایک خاص حال میں پہنچتی ہے۔ تو ولایت علیا سے موسم وہی حال ہوتا ہے۔ اور پھر جب اس کیفیت میں یاد بہت زیادہ بلند ہوتی ہے۔ اسے ”کمالات نبوت“ کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تعلق ایسے کا آخری درجہ ہے۔

پہلے حال کو تجھی اسماء بھی کہا جاتا ہے۔ جب اس یادی کیفیت کا تعلق صرف ذکر کے ساتھ ہوتا ہے اور تمام نظر و فکر اللہ۔ اللہ پر ساک کی

ہوتی ہے۔ تو اس لفظ کے ساتھ اس کی محبت ہو جاتی ہے۔ اور دل کے آئینہ میں اسے ہی دیکھتا رہتا ہے۔ ایسے نظر و فکر سے ایک خاص لذت اور کیفیت یکسوئی رہا کرتی ہے۔ اور اس تصور کی وجہ دنیا و مافینہا کو بھول جاتا ہے۔ اسی کو سلطان باہو ”ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

”نفی اثبات دا پانی لیس ہر رگے ہر جائی ہو“

لیکن اس پانی ملنے کی کیفیت۔ اپنی ارتقائی منزل کی جانب بڑھنا شروع ہوئی جس کو بایں الفاظ صاحب موصوف نے ظاہر فرمایا۔

”اندر بونی مشک مچایا جا۔ بھلن پر آئی ہو“

اس وقت سالک اس اسی تصور سے آگے بڑھتا ہے۔ اور مظاہر قدرت کے مطالعہ میں محو ہو جاتا ہے۔ اور ہر آن اور ہر گھری گوناگوں کیفیات دل پر دارد ہونی شروع ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کیفیات بوقلمون سے آگے بڑھتا ہے۔ اور وہ کیفیت سامنے آ جاتی ہے۔ جو کائنات کی ہر چیز کو اپنے اندر سمئے ہوئے ہے۔ جو مجمع اسماء صفات ہے۔ جسے حق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور پروردگار رب العالمین خالق و رزاق کہا جاتا ہے اور محی و ممیت ہے جب سالک کی کیفیت ذکر و فکر کے ساتھ وابستہ ہو کر ذات والا صفات کے آستانہ عالیہ پر سر بجود ہوتی ہے تو ہر آن اور ہر حال منتظر رحمت پروردگار رہتی ہے۔ یہ درجہ عبودیت مطلاقہ کا ہے۔ جس کے بعد کوئی درجہ نہیں۔ یہ وہ آخری انتہا ہے جو عرش مجید پر حضور ﷺ کو حاصل ہوئی۔ اس وقت سالک کی قدرتی زبان سے بے اختیار لکھتا ہے۔

ما عبدنک حَقَّ عِبَادَتِكَ وَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ

معرفتک (حدیث)

ترجمہ:- ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔ اور ہم تجھے صحیح طور پر پہچان نہیں سکے۔

پہلی منزل میں یکسوئی ہی یکسوئی ہے اور ذکر ہی ذکر۔ نماز روزہ سے کچھ زیادہ انس نہیں۔ بلکہ محل خیال پاک سمجھتا ہے۔ اور سالک کی نگاہ قطیعت کا فیصلہ ہوتی ہے جس پر پڑ گئی۔ جس طرح سے پڑی اس طرح کا کر دیا۔ اپنی کیفیت کلیہ سے اسے رنگ دیا۔

لیکن اس وقت یہی کیفیت ذات و راء الورا کا حجاب ہوتی ہے۔ ذکر تو سامنے ہے۔ اور مذکور کا پتہ نہیں۔ لیکن ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو یہ حجاب چاک ہو جاتا ہے۔ اور سالک اسی تصور سے مظاہر قدرت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”سنریہم آیاتنا فی الافق و فی انفسِم“ ترجمہ:- عنقریب ہم ان کو دنیا میں اور خود ان کے نفوں میں اپنی آیات و کھلائیں گے۔

اس وقت کائناتی سیر اور اپنی نفسی سیر شروع ہو جاتی ہے اور سالک اس دریائے بے پایاں میں غوطے کھانے لگتا ہے۔ اور پہلی یکسوئی اٹھ جاتی ہے۔ اور مضحل و حیران و ششدرو قدرت الٰہی میں کھویا رہتا ہے۔ نہ اپنا فکر نہ کسی دوسرے کا فکر۔

اس وقت پہلی حالت نظریت نہیں رہتی۔ بلکہ بیکسی کی طرف سالک کا حال بدلتا شروع ہوتا ہے۔ وہ پلا زور و شور نہیں رہتا۔ نہ دعا۔ نہ دوا مردہ بدست زندہ اپنے حال میں میں رہتا ہے وہ ولایت علیا ہے۔

لیکن جب ایک مدت اس حال میں گزرتی ہے اور یہ کیفیت دوام پکڑتی ہے اس کیفیت سے خود بخود ایک اور کیفیت پھوٹتی ہے۔ جس کے

اندر وہ ذات رب العالمین۔ لیس کمثیلہ شئی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اور ”حتیٰ یتبین انه الحق“ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس وقت حق کے مشاہدے شروع ہو جاتے ہیں۔ ہر چیز میں وہ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اپنے اندر سالک نظر دوڑاتا ہے۔ تو وہی ہے جانوروں کو دیکھتا ہے۔ تو ان کے اندر وہی نظر آتا ہے۔ کائنات زمین و آسمان پر جب نگاہ پڑتی ہے تو اللہ نور السموات والارض ہی دیکھتا ہے۔

یہ حال بھی ایک جگہ نہیں رہتا۔ بلکہ کل یوم ہو فی الشان ۰ سے گزرتا ہے۔ اور فبای الاء ربکما بکذبان کی آواز اس کے کان میں ہوتی ہے۔

اس وقت تمام کیفیات اعلیٰ و افضل ذات سالک کے اندر اکھٹی ہو جاتی ہیں اور ذات ربی کی طرح مجمع الصفات ہو جاتا ہے۔

گے بر طارم اعلیٰ نشیم گے پر پشت پائے خود نہ نینم کسی وقت معبودیت کے جلوے دے رہا ہوتا ہے۔ اور کسی وقت عبدیت کے لباس میں کہہ اٹھتا ہے۔

الهی عبدک العاصی اتاک  
مقرا بالذنوب فقد دعاک

فان تغفر فانت لذالک اهل  
وان تطرد فمن يرحم سواک  
زبان حال کا یہ ترجم اس کا حال بوتا ہے۔

سبحان رب العزة عما يصفون وسلام على  
المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

اپنے آپ کو لباس شریعت مطہرہ پر کامل آداب کے ساتھ بھانے کا طریقہ رکھتا ہے اور ہر حکم کو اور آداب خداوندی کو حق جانتا ہوا۔ عین حق خیال کرتا ہے۔

یہ دو رخی ورے ورے تو ہو سکتی ہے۔ لیکن جس کا دل انوار حق سے روشن ہو جاتا ہے۔ وہ کیسے یہ خیال میں لا سکتا ہے۔ کہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے جدا ہے اور اس کے ملنے کے دو طریقے۔ ایک ظاہر اور دوسرا باطن۔ بلکہ یہ ہی باطن کا طریقہ ہے ظاہر صاف دکھاوے کا لباس ہے۔ اندر کچھ نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء اور رسول کیوں آتے؟ اور کیوں باطن کے ساتھ ظاہر کی تعلیم دیتے۔

یہ بہت بڑی گمراہی ہے یا جسارت۔ کہ کہا جاوے کہ سب کچھ نور محمدی ہے۔ اور پھر نور محمدی کی ظاہر ہیئت کو ٹھکرایا جاوے اور کہا جاوے کہ ”یہ ملائیت ہے“ یہ تکبر ہے۔ اسے دور کرنا ہی صوفیت اور ملنگیت ہے۔ اس سے منازل باطن کی ترقی ہوتی ہے۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ابتدائی منزل ہے۔ اور یہ حالت کچھ اچھی نہیں۔ وقت پر یہ حالت چلے گی۔ اور وہ کچھ ہو جائے گا جو مشائے قدرت ہے۔

جس کسی نے شاہی جاہ و جلال اور تزک چشم نہ دیکھا ہو۔ وہ آداب شاہی کیسے بجا لاسکتا ہے۔ وہ ایسے خیال کرتا ہے کہ شاہ بھی ہم جیسے آدمی ہیں۔ کھاتے ہیں پیتے ہیں یہ ہے اور وہ ہے۔ اور جس نے اپنی آنکھوں جاہ و جلال سپاہ و لشکر دیکھے ہوں وہ حاضری پر سراسر خود بخود مودب کھڑا ہو کر سر بجود ہو جاتا ہے۔ جن بیچاروں نے صرف نام خدا ہی سنا ہو اور اس کی عظمت اور جاہ و جلال کے سامنے نہ آئے ہوں۔ وہ اسے

اپنے مرشد کی طرح خیال کر کے اڑنگ بڑنگ رہتے ہیں۔ دوزخ جنت کی جس نے سیر کی ہے۔ وہ دوزخ جنت کے الفاظ سے ہی متاثر ہو جاتا ہے۔ لیکن جس نے صرف نام ہی سنائے۔ اسے ان الفاظ سے کیا اثر ہو۔ اگر کچھ ان کے حالات سنائے جائیں۔ تو کہہ دیتے ہیں میاں! کس نے دوزخ بہشت دیکھا۔ لیکن خواب میں ہی ایک نظارہ دیکھ لیا جاوے۔ تو پھر اس خواب کے خیال سے ہی جسم پر لرزہ پڑ جاتا ہے۔

بعینہ یہی حال سا لیکن راہ طلب کا ہے۔ پھر کم نظر مبین جب ہو تو پھر سا لکھن راہ کا خدا حافظ

گر ہمیں کتب و ہمیں ملا  
کار طفال تمام خواہد شد

سب کچھ بن جائیں گے۔ لیکن خدائے قدوس وحدہ لا شریک کے پیجاري نہیں ہو سکتے اور اھوا (خواہشات) کی بھڑک پر مرس گے۔

آخر میں اپنے مطلب کی وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں تاکہ مطلب واضح ہو جائے۔ گھری کی ایجاد۔ وقت کی تحدید اور تعین کے لئے ہوتی ہے۔ جس کے خول کے اندر پنکھا لگا ہوتا ہے۔ جسے ایک قوت (چابی) چلاتی ہے۔ جو ایک باریک لوہے کی کمانی کی لپیٹ سے پیدا ہوتی ہے۔ جو ہاتھ کی طاقت سے لپیٹ جاتی ہے۔ یہ قوت پنکھے کو حرکت دیتی ہے۔ اور پنکھا دوسرے چکر کو چلاتا ہے۔ اس طرح کئی چکر پھرتے ہوئے حرکت کو ایک خاص انداز میں لاتے ہیں۔ اور ایک ایک وقفہ ڈائل پر سوتی سے معین وقت ہوتا جاتا ہے۔

اگر کسی گھری کی کمانی خراب ہو جائے یا بے حرکت ہو جائے یا تیز

چلنا شروع کر دے۔ گھڑی کی کمانی یا فل کی قوت جامدہ جب تک متحرک ہو کر پنکھا سے گزرتی ہوئی اور چکروں کو پھیرتی ہوئی۔ گھڑی کے ڈائل کی سویاں ایک ایک حرکت معین نہ کریں۔ اس وقت تک وہ گھڑی گھڑی نہیں کھلاتی اور جب کوئی ایک نقش پیدا ہو جائے اور وہ حرکت سے رک جائے تو گھڑی بے کار ہو جائے گی۔ حرکت موجود ہے۔ لیکن ڈائل پر سویاں نہ ہونے کی وجہ سے یا سویاں موجود ہوں لیکن ڈائل جو نقاط معین کرتا دکھاتا ہے وہ موجود نہ ہوں تو یہ تمام نقائص گھڑی کی قیمت کو گرا دیتے ہیں۔

پھر ایک گھڑی صحیح وقت دیتی ہو اور اپنے وقت نشان کو اپنی رفتار وقت سے کامل نشانات پیدا کرتی ہو۔ لیکن صاحب گھڑی اپنے اوقات کا ضبط نہیں رکھتا۔ تب بھی یہ گھڑی نیشنی ہوگی۔ صاحب گھڑی اس کی صحیح قدر و قیمت نہیں اٹھا رہا۔ ایسے حال میں بھی گھڑی کبھی مفید نہیں ہو سکتی ہے۔ جب گھڑی والا وقت کی قدر و قیمت رکھتا ہو۔ اس وقت وہ گھڑی کے ایک لمحہ کو مد نظر رکھے گا اور ایک آن بھی اپنے وقت کو ضائع سے بچائے گا۔

بعینہ یہی حال ہمارے سارے سالک کا ہے۔ قوت مری۔ یا فضل ربی دل کے ٹنکے کو چلائے اور پنکھا زیادہ حرکت دے یا کم۔ اور یہ حرکت تمام لٹائف سے آسانی سے گزر کا انسانی حرکات و سکنات اور افعال پر اثر انداز نہ ہو۔ تو پھر یہ سلسلہ طریقت تمام کا تما بے کار ہو جاتا ہے۔

اس حرکت قلبی اور یادِ الہی سے وہ فوائد حاصل نہ ہوں۔ جن کے لئے یہ حرکت قلبی اور یہ یاد پیدا کی گئی تھی۔ تو یہ یاد کس کام کی۔

خوف الہی محبت الہی پیدا نہ ہو اور آداب الہی بجا لانے کی توفیق نصیب نہ ہو۔ تو پھر اس حرکت قلبی کا کیا فائدہ۔ ضرور ایک تماشہ ہے۔ لیکن تفریح نفسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اور کوہلو کے بیل کی طرح اسی یاد میں غرق ہو کر فنا ہو جائے گا۔ گو وہ خود خیال کرے کہ میں نے کنوں چلا یا اور پانی نکلا۔ لیکن جب کھیت میں سیرابی نہیں ہوتی اور کنوں کا پانی کنوں میں گرتا ہے۔ اور باہر نکاس نہیں ہوتا اور کسی کے حلق میں شیریں پانی نہیں اترتا۔ اور کھیتی باڑی اس سے کاشت نہیں ہوتی تو پھر اس کنوں کا وجود لا حاصل۔ گو روائی ہے لیکن ایک بے کار کنوں۔ گو پانی ہے لیکن سیرابی نہیں۔ ایسے حال میں اس بے کار کنوں کو صحیح معنوں میں کنوں نہیں کہ سکتے۔ بلکہ ایک ڈل کے نام سے موسوم ہو گا۔ جسے ناکارہ خیال کیا جاتا ہے۔

ذاکر جب تک ذاکر ہے وہ اپنی خودی میں مست۔ لیکن جب اپنا قدم اس سے آگے نکالتا ہے اور ذاکر مذکور ہو جاتا ہے اور اپنی ہستی کھو بیٹھتا ہے تو پھر خود ذکر ہو جاتا ہے۔

اس وقت ذکر ہی ذکر ہوتا ہے۔ لیکن جب ذکر بند ہوتا ہے۔ اور قدم آگے بڑھاتا ہے۔ تو مذکور سامنے آ جاتا ہے۔ اور ذکر مذکور میں مدغم ہو جاتا ہے۔ جیسے ذاکر ذکر میں گم ہوا تھا۔

اس وقت ذاکر مذکور ایک ہو جاتے ہیں۔ اور مذکور کے تمام خدوخال اور حال ذاکر کے چہرے اور اس کے حرکات و سکنات اور افعال و صفات میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک بندہ مطلق ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ جس کا تعلق ایک طرف دنیا کے ساتھ کامل ہوتا ہے اور دوسری طرف خداۓ قدوس کے ساتھ مکمل ہوتا ہے۔ عابد معبد ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوتے ہیں اور قرآن حکیم اسی کو ان

الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں۔ فکان قاب قوسین اوادنی۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ وہی جس کو فاؤجی الی عبدہ ما اوحی - ذکر فرمایا گیا۔ جس کی تصدیق بایں الفاظ فرماتے ہیں۔ ما کذب الفواد مارای۔ یہ مستہائے طریقت ہے۔ اس کے درے اگرچہ کروڑوں مدارج منازل سلوک ہیں۔ لیکن جب تک انسان اس مرحلہ پر فائز نہیں ہوتا۔ وہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ جو طریقت کا مقصد ہے۔ اور تیابت نبوت حاصل نہیں ہوتی اور خلیفہ اللہ نہیں کھلا سکتا۔

کیمیا بنانے والے جب کیمیا بنانے کے خیال میں اس خط میں چلتے ہیں۔ وہاں کی تبدیلی کے لئے لاکھوں جتن کرتے ہیں اور سینکڑوں چیزوں کے کشتے اور تیل نکالتے ہیں۔ اگرچہ بہت سارے کشتے دوسرے امراض کے اور فوائد کے لئے اس تجویزی میں ان کو معلوم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب تک وہ سونا بنانے میں نہ پنچیں اپنی محنت اور اپنا وقت ضائع خیال کرتے ہیں۔

بعینہ یہ حال یہاں ہے جو کچھ کشف و کرامت اور تصرف اس راہ طریقت میں حاصل ہوتے ہیں، ہوتے ہیں لیکن اس سالک کا دل ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اپنے اصلی مقصد مشاہدہ اللہ اور نور اللہ کی طرف زیادہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہے لیکن پست ہمت اور طفلانہ عزم والے راستہ میں میں ہی اپنے مقصد سے ہٹ کر ان امورات مرغوبہ میں کھو جاتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ان منازل میں بیٹھنے سے ہم مقصد حیات سے محروم ہو رہے ہیں۔ اور جس غرض سے راہ سلوک اختیار کیا تھا وہ گم ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اب رجعت یعنی تقری شروع ہو گئی ہے۔

پست ہمت طبائع سلوک مجدوی کی تکمیل میں صرف لطائف کے روشن ہونے کو ہی خدائی مشاہدہ خیال کرتے ہیں۔ اور اکثر عمر کا ایک کثیر حصہ اس میں ضائع کر دیتے ہیں۔ شیشے کے جلا کا مقصود چہرہ زیبا کو دیکھنا ہے۔ نہ کہ خود شیشہ (آئینہ) کو جلا دیتے رہنا۔ ایسا ہی ذکر کو مقصود بنانا اور نہ کور سے غافل ہونا ہے۔

اکثر ساکلکیں راہ مولا اس دھوکے میں دیکھے گئے۔ کہ وہ ذکر کی لے میں ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے۔ اور ایک خاص قسم کے رہبر ہو کر نیابت الہی سے ہمیشہ کے لئے محروم رہ گئے جو بیچارہ اپنے گھر کو مکہ اور کعبۃ اللہ خیال کرنے لگے وہ بھلاکب کعبۃ اللہ کی طرف قدم اٹھائے گا۔ بلکہ دنیا کو بھی حقیقی کعبہ سے ہٹا کر اپنے کعبہ کی طرف دعوت دے گا۔ اور وہ یکجتنی اور مرکزیت امت مسلمہ جو کعبۃ اللہ کے ذریعے امت مسلمہ کو نصیب تھی اسے توڑ دے گا۔ اور وہ مقصد ملت جو امت مسلمہ کے قائم کرنے میں تھا گم ہو کر امت مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے پر تل جائے گا۔ ان الذين فرقوا دینهم و كانوا شيعاً على سنت  
منهم في شيء۔

ترجمہ:- جن لوگوں نے اپنے دین کو ملکہ ملکہ کر دیا اور وہ گروہ در گروہ ہو گئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

اس کے زیرِ عتاب ہو جائے گا۔ ایسے سلوک اور ایسی طریقت سے دین کو کیا فائدہ؟ اور اسلام اس طریقہ پر کیسے فخر کر سکتا ہے؟ جو رسوائے شریعت غراہو۔ ایسی طریقت سے دنیا بیزار خدا بیزار گو چندے (چند افراد) اس میں داخل ہو کر قرب حق کے نعرے لگائیں۔ لیکن یہ آواز صدابصر ا ہو کر ہمیشہ کے لئے ختم ہونے والی ہوتی ہے۔

اول اسلام، پھر طریقت۔ جو طریقت اسلام کا ساتھ نہ دے۔ وہ طریقت کیا ہے؟ ایک دسوئے ہے۔ گو تقرب انہیں کتنا ہی خیال میں ہو اور آثار تقریب بھی نمودار ہوں۔ لیکن ساقط الاعتبار۔ هذا ما عندي و عند اهل الطریقت واللہ اعلم بالصواب۔

مریٰ اور مرشد خزینہ عرفان کا مالک ایسے چست و چالاک ڈرائیور کی طرح ہو کہ جس کی نظر صاف اور تیز دور تک آگے پچھے دوڑتی جائے۔ اور اس کے ہاتھ سٹیرنگ پر خود بخود توجہ کے ساتھ چلتے جائیں۔ یعنی نظر میں ہیر پھیر کا ساتھ دیتے رہیں۔ جیسے اچھے منشی کے خیال پر خود بخود قلم موڑ کھاتی جاتی ہے اور حروف و الفاظ کے نقوش دینے میں تردود نہیں ہوتا۔ اور پڑوں چھوڑنے بند کرنے۔ تیز چلانے اور بریک کرنے میں اس کے اعضاء خود بخود و بلا فکر و تردد اس کی نظر کے پچھے متھک ہوتے اور چلتے ہیں۔ خصوصاً ایسے راستے میں اور ایسی سڑک پر جہاں سینکڑوں کی نہیں ہزاروں کی آمد و رفت ہو۔ کاریں ہوں، چھکڑے ہوں، گذے ہوں، اونٹ قطار در قطار ہوں۔ اور خلقت کی بھیڑ سے گزرنے سے اسے ذرا پریشانی نہ ہو۔ اور حوصلہ سے بیٹھا۔ موڑ بھیڑ سے کتراتا ہوا۔ کھڑوں درختوں سے بچاتا ہوا۔ اپنی گاڑی کو منزل مقصود پر لے جانے کے لئے بے تاب ہو۔ بعینہ یہی حال ہمارے مرشد و مریٰ کا ہو۔ سالک پر پورا دھیان ہو۔ کبھی اس کی آتش محبت کو بھڑکائے اور کبھی دھیما کرے موقعہ پر اسے صاف کرے اور ان تمام خطرات سے آگاہ بھی نہ کرے بلکہ اپنی توجہ تام سے اس کے فکر و نظر میں تبدیلی بھی کرتا جائے۔ اور دنیاۓ دنی سے اسے نکلنے میں ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرے۔ اور اسے تازہ دم رکھے۔

بعض مرشد و مربی اپنے متولین کو جب پہچانتے نہیں۔ تو وہ ان کی رفتار سلوک پر کیا نظر رکھیں گے۔ یا پہچانتے ہیں لیکن انہیں اپنی ذات کی ہستی میں استغراق ہے وہ اپنے مرید و سالک پر کیا توجہ دیں گے۔ ہاں! سالک کی اپنی استعداد کامل ہو۔ تو اس راہ پر خطر سے نکلتا ہے۔ ورنہ راستہ ہی میں چکنا چور ہو جاتا ہے۔ ہاں! بعض ستر فتار سالک اچھے رہتے ہیں۔ وہ آہستہ چلتے تھکتے نہیں۔ اور شاہراہ پر ہوتے ہیں جس پر چور چکار کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ یعنی راہ شریعت کے روشن میناروں کو نہیں چھوڑتے اور یہی مقصد مقصد حیات خیال کرتے ہیں۔ سالک سیر الی اللہ متوجہ الی اللہ میں کم غلطی کھاتا ہے۔ اس میں وہ شریعت مطہرہ پر چلنے کو فخر جاتا ہے۔ اور یہی اس کا معصود ہوتا ہے۔ لیکن جب سیر باللہ شروع ہوتی ہے اور صفات الیہ میں تدبیر شروع ہوتا ہے۔ اور مظاہر قدرت کے مختلف صور و اشکال میں حیران ہوتا ہے۔ تو اس وقت بے اختیار اس کی توجہ تشریعی نہیں رہتی۔ بلکہ تکونی ہو جاتی ہے۔ اور وہ تکونی میں داخل ہو کر شریعت غراء سے لاپروا ہو جاتا ہے۔ وہی وقت ہوتا ہے جب مرشد کامل اور مربی تام کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ اس کٹھن منزل سے سالک کو ایسے طریقے سے نکالے کہ وہ اس حرث چکو گئی اور پھونی سے نجات پائے۔ اور سیر فی اللہ کے بلند مرتبہ کی طرف متوجہ ہو۔

سیر فی اللہ کیا ہے؟ ذات اقدس کا کامل پرتو۔

سیر الی اللہ میں سالک خود تھا۔ سیر باللہ میں ہستی سے نیستی میں چلا گیا۔ ادو سیر فی اللہ میں وہ ذات حقہ کے سوا کچھ نہ رہا۔ (وہی) ہر وقت سامنے ہے۔

”تجھ کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں“  
 اس وقت ایک طرف سالک اضطرار و التجا ہو جاتا ہے۔ ہر وقت  
 مناجات شروع ہے۔ دل اور آنکھ اس کی طرف ہے۔ دوسری طرف  
 رحمت خلق ہو جاتا ہے۔ اور قبولیت ہی قبولیت ہوتی ہے۔ وہ خود نہیں  
 ہوتا۔ بلکہ کائنات کی طلب واستدعا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف رحمت و  
 قبولیت ہوتا ہے۔ تقدس بڑھتا جاتا ہے۔ اور صفائی پیدا ہوتی جاتی ہے،  
 اخلاق روشن سے روشن تر ہوتے جاتے ہیں۔ افکار عالیہ سبزہ نوبمار کی  
 طرح اگتے جاتے ہیں۔ نرض ایک بھار ہے۔ جس کے لئے خزاں نہیں۔

”... جو آجائیں سمجھو بھار آگئی۔  
 اپنا غم نہیں رہتا لیکن لوگوں کے غم میں بتلا رہتا ہے۔ دنیا کا ہر  
 کرب اس کا کرب ہے اور دنیا کی ہر طلب اس کی طلب ہوتی ہے۔ وہ  
 رحمت الٰہی کی طرح رحمت عالم ہو جاتا ہے۔

مشور ہے نیم حکیم خطرہ جان، نیم ملا خطرہ ایمان۔“ ایسا ہی حال  
 مریٰ و مرشد کا ہے۔ مریٰ ناقص عمر ہی ضائع کر دیتا ہے۔ اور سلوک کی ابجد  
 سے باہر نہیں نکال سکتا بلکہ مطح نظر وہ نہیں دکھایا جاتا۔ جس کے حصول  
 کے لئے راہ سلوک اختیار کیا گیا۔ اور جس کے لئے دنیا جیسی پیاری چیز کو  
 طلاق دی گئی تھی۔

حضرت قبلہ مرشد میاں صاحب ”شرقاپوری“ ایک مرتبہ کسی مسجد  
 میں تشریف فرماتھے۔ وہاں کے امام کسی نمازی کو نماز پڑھانے کا طریقہ بتا  
 اور سمجھا رہے تھے۔ جب کھڑے ہونا تو سجدہ کی جگہ نظر رکھنا اور جب  
 رکوع میں جاؤ تو پاؤں پر نظر رکھنا اور جب سجدہ میں گرو تو ناک سامنے ہو

اور پیشانی و ناک برابر زمین پر گئے ہوں۔ جب بیٹھو تو سینہ پر نظر ہو۔ آپ نے بے اختیار ہو کر غایباً ”تے او کتھے“ (وہ کہاں) یعنی اللہ تعالیٰ کا خیال اور تصور کہا گیا۔ اقبال لکھتے ہیں:-

لوگوں میں وہ لو باقی نہیں ہے وہ دل، وہ آرزو باقی نہیں ہے  
نماز و روزہ و قربانی و حج یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے  
بعینہ یہی حال ہمارے مرشدین کا ہے۔ اذکار ہیں۔ لطائف ہیں۔  
ولایت ہے۔ کمالات ہیں اور ان کے تصورات۔ لیکن اندر وہ نہیں جس  
کے لئے تمام جتن کئے جا رہے ہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ دھوکا بہت بڑا ہے کہ کچھ نہ ہو اور کہا جائے کہ  
سب کچھ ہو گیا

آل کس کہ ندا اند و بدائد کہ بدائد  
درجہل مرکب ابدالدھر بماند  
اس کا کوئی علاج نہیں ایک شد بد طالب علم کو کسی وہابی مولوی  
نے بخاری شریف پڑھا دی۔ وہ بخاری کیا پڑھے ا درس بخاری کھول دیا۔  
اور کریما، شیخ عطار پڑھنے والوں کو بخاری کا درس شروع کرا دیا الغرض بیس  
تمیں طالب علم جو ابھی بچے تھے۔ بلکہ الف۔ ب پڑھنے والوں کو بھی بخاری  
شریف کے اس باق شروع کرا دیئے۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ان بچوں کی  
بھلا کیا سمجھ میں آوے۔

لیکن اپنے زعم باطل میں وہ اپنے آپ کو بخاری کا عالم خیال کرتا  
تھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ شد بد والے ایک حرف نہ پڑھ سکے۔ اور نہ  
کچھ سمجھ سکے۔ کورے جاہل تھے۔ اور ذہن میں تھا کہ بخاری پڑھی ہے۔

یہی حال ہمارے طریقت بھائیوں کا ہے۔ سلوک تمام کیا۔ لیکن خوف الٰہی ہے نہ محبت الٰہی۔ نہ توکل ہے نہ اکتساب رزق نہ زہد و تقویٰ پھر بھی باکمال، آزاد۔ حر۔ اپنی ضروریات میں ہر ایک کے محتاج۔ لیکن لوگوں کی ضروریات کے لئے داتا اور مالک۔ بھلا جو اپنی ضروریات میں محتاج ہے وہ دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کا کیا حق رکھتا ہے۔ جب تک ساک اپنی ضروریات سے پاک نہیں ہو جاتا۔ اس وقت تک وہ مند ارشاد پر قدم رکھنے کا حق دار نہیں ہوتا۔ کیا خوب کہا گیا۔

ہر تنا دل سے رخصت ہو گئی  
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی ۱۱۷  
یہ خلوت جب نصیب ہو تو سرگوشیوں کی ابتداء ہوتی ہے۔ تاجی الٰہی  
کا درجہ نصیب ہوتا ہے۔ ورنہ جب تک دنیا کا نقشہ سامنے ہے۔ اور دنیا کی  
طلب موجز ہے۔ اس وقت تک دنیا سے سرگوشی ہوتی ہے۔ جب یہ ختم  
ہو جائے تو تاجی الٰہی کی انتہا نہیں۔ لیکن آخر کار اس تاجی سے بھی ساک  
نکل کر محوجرت ہو جاتا ہے۔ اور اللہم زد حیرتی فیک۔“  
حضرت صدیق اکبر کے حال کے مطابق زبان حال سے پکارتا ہے۔ لیکن اس  
ساری صورت میں اعمال و اشغال کا رخ شریعت حقہ کی طرف رہتا ہے اور  
تجہ شریعت حقہ کے روشن کرنے پر مرکوز رہتی ہے۔ یہ ہیں کمالات نبوت  
اور یہ ہے طریقت حقہ۔ جو سراسر نیابت رسالت ماب ﷺ کا نقشہ ہوتا  
ہے جسے ہر مسلم تعلیم کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ اور بے دین اندر  
اندر خوف کھاتا ہوا گھلتا جاتا ہے۔ لیکن مربی ناقص۔ ابتداء تو ساک کو  
بڑے زور سے اٹھاتا ہے۔ اور ذکر کی لگن میں اسے لگادیتا ہے۔ لیکن جب

ذکر و فکر اپنے زور و شور پر ہو جاتا ہے تو آگ بڑھانے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ نہ اس کی اپنی نظر بلند ہوتی ہے نہ سالک کی نظر بلند کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ذاکر یا سالک پھر کر پھر کرو ہیں زندہ درگور ہو جاتا ہے۔ اور ہر بے راہی اختیار کر جاتا ہے۔ جس سے اسے پختا لازم تھا۔ بلکہ صراط مستقیم سے ہٹ کر باریک پگڈنڈیوں کو اختیار کر کے ہمیشہ کے لئے راہ شریعت سے بھٹک جاتا ہے۔ دھوکا اور بڑا دھوکا۔“

اس وقت اس کی محدود نگاہ اور ناقص عقل اسے دھوکہ دیتی ہے۔ کہ یہی کچھ ہے جو مجھے حاصل کرنا تھا۔ اور یہی حق ہے جو میں خود ہو بیٹھا ہوں اور یہی منشاء قدرت ہے۔

دنیا کچھ اور ہے باطن کچھ اور ہے۔ اپنے ظاہر و باطن کو جدا دیکھتا ہے اور اپنی اندر ہی روش کو طریقت کا نام دیتا ہے۔ اور اپنی خواہش کو الہام خیال کرتا ہے۔ اور اس سلسلہ الٰہی سے کٹ جاتا ہے۔ جسے انبیاء علیہ السلام نے قائم کرنے میں عرب صرف فرمائیں تھیں۔ اور جو سراسر منشاء قدرت الیہ تھا۔ اور جس کے لئے قرآن حکیم جیسی پاک کتاب نازل ہوئی تھی۔ خود سوچئے اور خوب سوچئے۔

عوام کے ذہن میں ہے کہ کسی تجلی سے غشی یا بے ہوشی ہو جائے، تو یہ عین وصال یا مشاہدہ ہے لیکن آنحضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن پاک میں صاف الفاظ میں یہ بات واضح کرتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا و  
خر موسیٰ صعقا فلما افاق قال سبحانکَ انى تبت  
اليكَ وانا اول المومنین۔

ترجمہ:- تجلیِ الٰہی سے پھاڑ بلکہ ملکر ہو گیا۔ اور مویں بے ہوش ہو کر گرپٹے اور جب انہیں افاقہ ہوا تو کہا اے اللہ تو پاک ہے اور میری توبہ۔

دیکھئے! بے ہوشی میں ہوش نہیں رہتا۔ جب ہوش نہ ہو تو مشاہدہ کیسے؟

مشاہدہ تو ہوش کا کام ہے۔ ہاں روح کی تجلی سے طبیعت دنیاوی خیالات سے پاک ہو جاتی ہے۔ اور کچھ وقت دنیا سے روح الگ ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سے آگے کہ مشاہدہ روحی شروع ہو۔ وہ اسی وقت ہو گا جب روحی طور پر ہوش میں آجائے۔ جن لوگوں کو وجود ہوا ہے ان کے سامنے وجود کے وقت کچھ نہیں ہوتا بلکہ ہوش پر جذبات بھڑکتے ہیں۔ اور پھر جذبات چور ہو کر بھسم ہو جاتے ہیں۔ بلکہ با اوقات دیکھا گیا۔ کہ ہوش آنے پر بھی صاحب وجود کے جذبات مدھم سی صورت میں باقی ہوتے ہیں۔ اگر یہ حالت کامل مشاہدہ کی ہوتی۔ تو حضرت خضر علیہ السلام کی تعلیم کی پھر کیا ضرورت تھی۔ بلکہ خضر علیہ السلام تعلیم مشاہدہ الٰہی کا زینہ تھا۔

مشاہدہ اس وقت مشاہدہ کھلاتا ہے۔ جب مشاہدہ سامنے ہو اور مشاہدہ ظاہراً یا باطنًا دیکھ رہا ہو۔ تجلی کی بے ہوشی کو مجاہدہ سے تعبیر کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے جو سا کہیں راہ کو دی جاتی ہے۔

### الوجه عنوان الباطن

(چہرہ دل کا آئینہ ہے)

گھڑی کی سوئیاں خول کے باطن کی حرکت بتاتی ہیں۔ کہ اندر کتنی حرکت ہو رہی ہے۔ اسی طرح انسانی دل کی کیفیت پوری کی پوری چہرے پر

ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ غم آنے تو غم کے آثار چہرے کے رگ و ریشہ پر ابھر آتے ہیں۔ خوشی کی لہر اندر موجزن ہو تو چہرے بشرے پر خوشی کی شکفتگی آ جاتی ہے۔ جب کسی کی محبت اندر جوش مارے تو آنکھیں محبت بھری ہو جاتی ہیں۔ اور یہ محبت بھری نگاہ دل والوں کو لبھا رہی ہوتی ہے۔

صوفیوں کے چہرے اپنی صوفیت کے نشان دے رہے ہوتے ہیں۔ حور مولویوں کے چہرے اپنے علم کا مقام بتلا رہے ہوتے ہیں۔ ایک متکبر انسان کی رعونت آنکھوں سے ٹکپتی نظر آتی ہے۔ اور ایک بے کس آنکھ اپنی بے کسی کا اظہار کر رہی ہوتی ہے۔ سالک کی باطنی صورت دیکھنے کے لئے چہرے کو دیکھا جائے جس درجہ پر چہرہ ہے۔ اسی درجہ کا باطن ہے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ اندر ہو ہو ہو۔ اور باہر غیر ہو نظر آئے۔

اندر بھی ہوتے باہر بھی ہو  
پھر باہو کتنے لمحیندا ہو

کمالات نبوت اندر چھپے نہیں رہتے۔ جب یہ کمالات آتے ہیں تو رسولی صورت و سیرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ہر فعل و حرکت سنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ اور وہی کچھ نظر آتا ہے۔ جو نبی کرم ﷺ کے عکس جمالی و جلالی میں نظر آتا تھا۔ کوئی بھی صاحب عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ اندر تو جمال رسالت ہو باہر شیطانی لباس موجود ہو جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ نبوت کا راستہ چھوڑ دے۔ اور نبوت کو اپنا نجات دہنده اور ملت اسلامیہ کا نجات دہنده خیال نہ کرے اور ایک او تار کی طرح نبوت کو خیال کرتا ہو۔ لیکن ایسی صورت میں اسے مسلمانی اور اسلام سے کیا واسطہ رہا۔ اور اس سے کیا تعلق۔ دنیا اسے پوچھے لیکن ہمیں اس کے پوچنے کا کوئی حق

نہیں۔ جو نبوتِ محمدی ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ  
”بعد از خدا تویی بزرگ و برتر قصہ مختصر“  
وہ ایک آن کے لئے کسی ایسے فقر کے تسليم کرنے کے لئے تیار  
نہیں۔

میں ریل میں جا رہا تھا ایک پرانے دوست ملے جو طریقت میں  
سالک تھے۔ پوچھنے لگے کچھ فقر و طریقت پر بھی عبور ہے۔ اور کتنا ہے؟ میں  
نے کہا کہ ایک کتاب لکھی ہے۔ کہا۔ وہ تو کتاب ہے۔ آپ اپنا حال  
بتلائیے۔ میں نے عرض کیا حال کیا پوچھتے ہیں۔ میں آپ کے سامنے ہوں۔  
یہی میرا حال ہے۔ یہ سن کر حیران رہ گئے۔ غرض جو طریقت کے الٰف۔ ب  
سے بھی شناسا ہے۔ وہ کبھی کسی سالک کا حال دریافت نہیں کرتا۔ وہ صرف  
ایک نظر چرے پر ڈالنے سے تمام کچھ دیکھ لیتا ہے۔ جو اس کے اندر ہے  
بلکہ کسی سالک یا ولی اللہ کے معمولات سے کامل پتا چل جاتا ہے کہ یہ  
حضرت کیا کچھ ہیں۔ اور کسی کی خدمت کی حاضری کا نقشہ ہی تمام کچھ  
سامنے کر دیتا ہے۔ جس پر اس ولی اللہ کے کارخانے یا مند ارشاد کی بنیاد  
ہے۔ اور جو کچھ اس کے قلب پاک کے اندر ہے حضرت قبلہ میاں صاحب  
رحمہ اللہ علیہ اس شناخت باطن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ دیکھتے ہی وہ کچھ  
فرمادیتے تھے۔ جس کی ضرورت سالک کو ہوتی تھی اور اس سے اشاروں  
اور کنائیوں سے باتیں فرماتے۔ کہ خود حاضر دربار اپنے قلب کی کیفیات پر  
متوجہ ہو جاتا۔

آج بہت کم سالک ہیں۔ جو اپنے دل کی کیفیات کے مطالعہ پر  
حاوی ہوں۔ بلکہ دل کی کیفیات اور ہے۔ اور ظاہر کسی اور طرف جا رہا

ہے۔ بعض اوقات آپ پڑھ رہے ہیں۔ اور سامعین سن رہے ہیں۔ لیکن خود قاری کو پتہ نہیں کہ میں کیا پڑھ ہوں۔ ایسی صورت میں دوسرے تو کچھ خط اخبار ہے ہوں گے۔ لیکن خود قاری اس قرآن خوانی کے نمبر سے محروم۔ (کمثل الحمار يحمل اسفارا) (وہ ایسے حمار کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہے) کا نمونہ ہو۔ تو اس اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ۔ زبان پر استغفار کے کلمات پڑھے جا رہے ہیں۔ اور دل گناہ کی لذتوں میں غرق۔

برزبان تبع و درد دل گاؤ و خر  
ایں چنیں تبع کے دارو اثر  
اس لئے دل و زبان سالک کا ایک ہونا ضروری ہے۔۔ جو دل میں  
ہے وہی زبان پر ہو۔ اور جو زبان میں ہے وہی دل میں ہو۔ یہی طریقت ہے  
اور اسی طریقت کے حاصل کرنے کے لئے سلوک حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن  
خود طریقت یہ سکھائے۔ کہ اندر کچھ ہو اور باہر کچھ اور۔ تو ایسی طریقت کو  
کون کامیاب طریقت کہہ سکتا ہے۔ بلکہ ایک نامراو طریقت ہے۔ جس کا  
انجام کچھ خوش کن نظر نہیں آتا۔ بلکہ خوف ہوتا ہے۔ کہ اس طریقت  
سے کہیں اسلام کی جڑ ہی نہ کٹ جائے۔ اور رسول اللہ اسلام طریقت شیطانی  
دھوکہ نہ ہو۔ اور اپنی ذات طریقت کے لئے کوئی دام و تذویر نہ ہو۔ ہمیں  
اللہ تعالیٰ اس طریقت سے بچائے۔ اور والله یه دی من یشاء الی  
سواء السبیل کی طریقت پر مولا کریم ڈالے۔

رسالت اور عکس رسالت ہی رشد و ارشاد کا ذریعہ مقرر کیا گیا  
ہے۔ جس کے اندر عبدیت و معنویت الگ الگ مشاہدہ میں ہیں۔

مجاذیب جو سراسر حق کی نمائندگی کرتے ہیں وہ خود ہی روشن ہو کر بجھ جاتے ہیں۔

دیا وئے سے جلتا ہے۔ لیکن یہ مجدوبی دیا ایسا ہے۔ جس سے بہت کم کوئی دوسرا دیا روشن ہوا۔ اس کی مثال اس پتے کی سی ہے جو دریا پر تیر رہا ہوتا ہے۔ خود تو پار اتر جائے گا۔ لیکن اس کے سارے دوسرا کوئی پار نہیں اتر سکتا۔ بلکہ ایسا سارا لینے والا ڈوب جاتا ہے۔

مکرمی! اپنے خط کا خلاصہ اس استدعا پر ختم کرتا ہوں۔ طریقت کے تمام انوار سمیٹ کر کیوں نہ شریعت حقہ کے اعمال و اشغال کے قلب میں ڈھانے جاویں؟ اور بے دین طریقت اسلام اور اہل اسلام سے ہیشہ کے لئے ختم کر دی جائے؟ اور یہی قلب محمدی مشرب تا قیامت چمکنے والا رہے۔

بے دینی میں طریقت کے پھول کوئی پسندیدہ نہیں لیکن دین کے جسم میں یہ طریقت کے پھول کتنے زیب دیدہ ہوں گے۔ اور مسلمانوں کے لئے کتنے فخر کا باعث ہوں گے۔

ترجم نہ رسی ب کعبہ اے اعرابی  
کیس راہ کہ توی روی بہ ترکستان است  
رینا لاتواخذنا ان نسینا او اخطئنا ۰

من آنچہ شرط بлаг است با توی گويم  
تو خواه از غنم پند گیرد خواه ملال  
رینا لا تزع قلوبنا بعد اذ هدیتنا و هب لنا من لدنك  
رحمه۔ انکھ انت الوهاب ۰

اسلامی ہدایت کے بعد ایک بے دین طریقت کھلی کبھی نہیں تو کیا  
ہے؟

داویم تراز حنخ مقصود نشانے  
گرمانہ رسیدیم تو شاید بر سی  
والسلام علی من اتبع الهدی  
خادم طریقت و شریعت  
محمد عمر (کان اللہ لہ)

## مکتوب پنجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاللّٰهُ يَهْدِی مَن يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ

عزیزم محترم زاد شرفہ و رشدہ

السلام علیکم و رحمہ اللہ

آپ کے خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ کہ گویہ عاجز فقیر نہیں اور صاحب  
حال نہیں، لیکن فقراء کی خدمت میں بیٹھنے ہے صواب و خطا کی شناخت  
عنایت فرمادی گئی۔

سبحان اللہ کیا تماشہ ہے۔

بشری گناہوں سے چھکارے کے لئے۔ طریقت کا گروہ صوفیت پیدا  
ہوا۔ لیکن شیطان رجیم کی چال بھی عجیب ہے۔ کہ بشری اور فطرتی گناہوں  
سے بچانے کے لئے ایک ایسا طریقہ پیش کیا کہ جس سے دین الہی کا استخفاف  
ہی نہ ہو بلکہ دین کی بڑا کھڑ جائے۔

ہوا۔ لیکن شیطان رجیم کی چال بھی عجیب ہے۔ کہ بشری اور فطرتی گناہوں سے بچانے کے لئے ایک ایسا طریقہ پیش کیا کہ جس سے دین الہی کا استخفاف ہی نہ ہو بلکہ دین کی جڑ اکھڑ جائے۔

یہ شیوه کفار کا تھا کہ وہ دین اور شریعت الیہ کے ذلیل کرنے کے لئے استہزاء کرتے تھے اور دین کی ہر ایک رسم پر پھیلیاں اڑاتے تھے۔

لیکن اس استہزاء کو اس شیطان رجیم نے پاک مسلمانوں کے دلوں میں نجّ بونے کے لئے چیکے سے کہہ دیا کہ ”صفائی قلب کے لئے شریعت الیہ کے خلاف عمل کیا جاوے تو نفس ملامت کھاتا ہے اور صفائی پکڑتا ہے۔

دیکھئے یہ ملعون کس راہ سے ہمارے نفوس پاک کو پلید کرتا ہے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنانا شریعت کے خلاف پوری پوری مہم احکام شریعت کے برخلاف طریقت کے نام سے اکسانا اور اس کی ترکیب سے نور الہی کے جلوے دلانے اور اس پر یقین محاکم قائم کرانا، ظاہر اسلام کچھ نہیں، دورخی صورت ہے اور اندر کچھ اور ظاہر کچھ، گویا اسلام ایک منافعی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ اسے وسوہ شیطانی سے ہشادے۔

آپ کے ایک پیر بھائی موضع <sup>لٹک</sup> مضمومی میں بحکم سرکار والاتبار تشریف لے گئے ہیں بعض کو توجہ کر کے لٹک روشن کرنے کے لئے ارشاد کیا۔ مانگت جاؤ۔ روزے کی جگہ علی اعلان بر ملا کھاؤ تمہیں جوتے پڑیں گے تمہارا نفس تب سیدھا ہو گا۔ خود سوچئے شریعت کے طریقہ سے سیدھا نہیں ہو سکتا تو کیا بے دینی اور تذلیل دین سے سیدھا ہو گا۔ یا تکسر باطنی بڑھے گا۔ جب دنیا کو معلوم کرایا جاوے کہ یہ ملنگیت بے شرعی حقیقی اسلام کا دوسرا نام ہے۔ اعادہنا اللہ۔

میں نے مفصل خط آپ کو لکھ دیا ہے امید ہے کہ آپ غور سے  
مطالعہ کریں گے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ حقیقی طلب مولا رکھتے ہیں  
اور دعا چاہتے ہیں کہ کسی صورت سے اس راہ میں کامیاب ہو جاؤ۔

خدا کرے مشاہدہ اور جمال الہی سے آپ کو شرف حاصل ہو اور  
دعا سے شرف حاصل ہو۔ یہ دوسری خوشی ہے کہ آپ کسی کا کچھ دیکھتے  
ستے بھی ہیں ورنہ ملنگ ستے دیکھتے نہیں ہیں۔ شکر ہے آپ کی ملنگیت کمزور  
ہے۔

### طالب دعا

آپ کا محمد عمر (کان اللہ لہ)

## مکتوب ششم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نگاہ بلند، سخن دل نواز و جاں پر سوز  
یکی ہے رخت سفر میر کاروال کے لئے  
عزیزم حافظ صاحب زاد رشدہ، واسترشادہ،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خط پنچانہ معلوم کیوں ۱۷/۱۶۲ کو ۳ بجے کے بعد ایک خط چند  
حروف کا آپ کے نام لکھا گیا۔ لیکن نظر ثانی کے بعد ہمت نہ ہوئی کہ سپرد  
ڈاک کروں کہ شایاد آپ بد شکونی خیال فرماویں۔ لیکن

منہ آئی بات نہ رہندی اے  
جب لکھا گیا تو مناسب یہی نظر آیا کہ جب آپ کا خط خود محرک  
ہے تو میں کیوں اسے اپنے پاس رکھوں۔ ”تحفہ محبت کے سوا کچھ نہیں“  
مجھے آپ کے بننے بڑنے سے کیا واسطہ یہ کام اپ کے مرشد کا  
ہے۔ میں ضرور ان کے دل جلوں سے محبت رکھتا ہوں، جو کفن بردوش  
چلتے ہیں۔ لیکن یہ خیال ضرور کھلکھلتا ہے کہ وہ مسکنت کہاں جو فقرا کا خاصہ  
ہے ذلت بناوٹی سے نفس کماں گرتا ہے؟ بلکہ ابھرتا ہے۔ اور یہی

”میں“ جس کے مارنے کے لئے یہ رنگ اختیار کیا گیا تھا۔ زیادہ شوخ ہوتی جاتی ہے۔

خودی کی شوختی و تندی میں کبر و ناز نہیں  
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں  
تسکین دولت ہے۔ لیکن کیسی تسکین؟ نبوت کی تسکین اور  
ولایت کی تسکین کیا یہ دونوں ایک نہیں؟ یا الگ الگ ہیں؟ ہمارا نہ ہب تو  
وہی ہے جو طریقت کے آخری صفحہ پر دیا گیا۔

”ظاہر و باطن کی صفائی یکساں چلانے کا نام اسلام ہے“  
ان تمام پر رحمت ہو جو اس کی تلاش و محبت میں سرگردان ہیں۔  
اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم دکھائے۔

یا يهَا الَّذِينَ امْنَوْا كَلُومَنْ طَيِّبَاتٍ وَاعْمَلُوا صَالِحَاتٍ  
عمل صالح کیا ہیں: وہی ہیں جن کو قرآن حکیم نے عمل صالح قرار

دیا ہے۔  
فَوِيلٌ لَهُم مَا كَتَبْتَ إِيدِيهِمْ وَ وِيلٌ لَهُم مَا  
يَكْسِبُونَ

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی  
میرے کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی  
والسلام علی من اتبع الهدی  
خادم طریقت:

محمد عمر (کان اللہ لہ)

## مکتوب ہفتم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عزیزم حافظ صاحب ا

السلام علیکم و رحمہ اللہ

دعوت نامہ عرس مبارک آپ کی طرف سے موصول ہوا۔ مردہ زندوں کا ملنا تماشہ ضرور ہے۔ لیکن ہم جیسے نامراد نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں۔ ایسی صورت میں حاضری بے معنی۔ اور معلوم نہیں عزیزم نے کس صورت دعوت دی جبکہ ہمارا مسلک الگ ہے۔

نا ہے کہ عاشورہ کے دن کسی آپ کے رفیق نے کتاب ذبح کر کے خود اور دوستوں کو کھایا، کھلایا۔ اگر صحیح ہے تو

ایں کا راز تو آئید و مرداں چنیں کنند  
لیکن اسلام کی یہ عزت ہے یا کچھ اور:

پیت یاران طریقت بعد اذیں تمہرے ما

کفن برد و ش عزیزوں کے انجام کا جو حشر ہو گا دیکھنے کی آرزو ہے  
آپ لوگ دنیا کے حشر کے متمنی اور یار لوگ آپ کے حشر کے انتظار میں  
بیٹھے ہیں۔

طریقت چلے گی لیکن یار ان طریقت کیا ہوں گے؟  
اس کا جواب وقت دے گا۔

سلوک اور مقصد سلوک کے عنوان اور غرض سے آپ کے تمام  
مکتبات بعض احباب شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن ایک دو مکتب  
نقل نہیں یہ حروف اسی محبت میں لکھ رہا ہوں۔ جو مجھے ابنائے طریقت سے  
ہے۔

خادم شریعت و طریقت  
محمد عمر (کان اللہ لہ)

## حوالی

### مقدمہ

۱۔ یہ صاحب للہ شریف کے رہنے والے ہیں اور حافظ قرآن اور بی اے، تلاش مولا کے لئے سب کچھ چھوڑا لیکن بد قسمتی سے گرمی زیادہ کھا گئے اور خلاف شرع امور پر اتر آئے۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھادی اور اسی غلط راہ کو طریقت سمجھ لیا۔

### مکتوب اول

۱۔ حضرت صاجزادہ مطلوب الرسول صاحب سجادہ نشین للہ شریف۔ ضلع جملم (۲) نور اسلام شرقپور شریف میں ایک رسالہ صاجزادہ جمیل احمد صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ (۳) حضور قبلہ عالم مرشد نا محمد عمر صاحب ییرلوی دام ظلہ کے بعض حقائق قرآنی وغیرہ اس میں شائع ہوتے رہے۔ (۴) حافظ سلطان بخش صاحب بے اے ملزم ملڈی اکاؤنٹس جو راہ مولا میں آکر گرمی کھا گئے۔ اور خلاف شرع امور پر اتر آئے۔ یہ صاحب للہ شریف کے رہنے والے ہیں اور پہلے حضرت صاجزادہ مطلوب الرسول صاحب کی خدمت میں آمد و رفت تھی اس لئے، آپ کے مخلص، لکھا گیا ورنہ ان کی بیعت یہاں نہیں ہے۔ (۵) صاجزادہ محبوب الرسول صاحب للہ شریف ضلع جملم۔ (۶) حقائق قرآنی تیرا حصہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ادارہ تصوف احمد پارک لاہور نے شائع کیا ہے۔ (۷) ان الفاظ نے بھڑکایا۔ حافظ صاحب نے لکھا تھا کہ اگر آپ اور میرے مربی اکٹھے ہو سکیں۔ تو اسلام کو بہت فائدہ پہنچے گا (۸) جان کائنات:- سبحان الذین بیده ملکوت کل شی (۹) و کذا لکب نری ابراهیم ملکوت کل شی۔ (۱۰) اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور جدانہ ہو۔ (۱۱)

اور تم خود کچھ نہیں چاہتے مگر وہی کچھ جو اللہ چاہے۔ (۱۲) بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اور اس نے ظلم کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔ (۱۳) پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی کی جو وحی کی۔ اور بہکل نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی۔ (۱۴) جیسا آپ کو حکم ہوا اس پر قائم رہیں۔ (۱۵) آپ خواہش کے پیچھے نہ چلیں کہ یہ آپ کو راستے سے بے راہ کر دے گی۔ (۱۶) آپ کو اللہ نے حیران پایا تو راہ بتلا دی۔ (۱۷) نہ اللہ نے آپ کو جدا کیا اور نہ ہی وہ بیزار ہوا۔ اور آخرت (انجام کار) پہلے حال سے آپ کا بہتر ہے۔ (۱۸) تم مجھے یاد کرو گے میں تم کو یاد کروں گا۔ (۱۹) طلب و تلاش مولا میں عشق و محبت کی مستی ضروری ہے۔ ورنہ اتنا دور دراز راستے طے کرنا ناممکن ہے۔ لیکن سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشق و محبت اور محبت کے آداب دونوں عنایت فرمائے اور اپنی سنت کے سوا کسی دوسری سرمستی کی اجازت نہ دی۔ باوجود اس کہ اگر کوئی شخص اپنی مستی میں کچھ غیر سنت افعال کرتا ہے۔ تو طریقہ محمدیہ ﷺ کیسے کھلا سکتا ہے۔ (۲۰) مشاہدہ:- نگاہ باطن سے جلوہ ہائے الہی دیکھنا۔ (۲۱) تواتر مسئلہ شادوت (۲۲) قوت عمل (۲۳) محب کے دل کا سودا ہو رہا ہے۔ محبوب نے اس کی قیمت دریافت کی! عاشق نے اپنے دل کی قیمت محبوب کی ایک نگاہ بتلائی۔ اس نے کہا یہ قیمت زیادہ اور اس کو کم کریں۔ اس نے کہا کہ کبھی کبھی نظر فرمایا کریں۔ (۲۴) بے خیالی یعنی یک سوئی پیدا ہو جاتی ہے (۲۵) آپ خواہش سے نہیں بولتے مگر وحی ہے جو انہیں بھیجی جاتی ہے۔ (۲۶) مجھے محبت اس بات کی ہوئی کہ میں پچانا جاؤں۔ یہ تکڑا حدیث کا حصہ ہے مکمل حدیث یہ ہے کنت کنز امخفیا فاحبیت ان اعرف فخلقت الخلق۔ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ مجھے محبت ہوئی کہ میں پچانا جاؤں پس میں نے خلقت پیدا کی۔ (۲۷) مقابل۔ سامنے آنے والا۔ حضرت پیر مرعلی گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ پشتی سلسلہ کے جلیل القدر بزرگ ہیں اور حضرت سلطان الاولیاء خواجہ شمس الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ (۲۸) حضرت خواجہ قطب عالم پیر حیدر شاہ صاحب جلالپوری رحمتہ اللہ علیہ آپ بھی حضرت خواجہ شمس الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ مزار مبارک جلال پور شریف ضلع جمل (۲۹) حضرت قبلہ عالم قطب الزماں میں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ حضرت قبلہ عالم محبوب الہی مرشدنا محمد عمر صاحب کے مدظلہ کے پیر و مرشد میں روضہ مبارک شرقپور شریف ضلع شخون پورہ (۳۰) حضرت فخر الاولیاء حضرت قبلہ عالم خواجہ غلام مرتضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہمارے آقا و مولا دام ظلہ کے جدا مجدد روضہ مبارک بیربل شریف ضلع شاہ پور (حال ضلع سرگودھا) (۳۱) یعنی ذکر و فکر میں کی کے باوجود ان کا خاتمه اچھا ہوا۔

## مکتوب دوم

(۱) مولوی خورشید صاحب سلطان بخش کے پیر بھائی ہیں اچھے خاصے مولوی تھے گری کھا گئے۔ ڈاڑھی مونچھ منڈا کر ہر طرح کی شرعی پابندیوں سے آزاد ہو گئے۔ (۲) بھٹی میں آگ لگنے سے اینٹ بھٹور ہو جاتی ہے۔ (۳) یعنی روح زندہ ہو اور سینہ روشن ہو۔ لیکن ظاہر شکل اور اعمال و اطوار شریعت مطہرہ کے مطابق نہ ہوں تو حقیقی دین کی کوئی خدمت نہیں اور اگر اندر روشن نہ ہو اور ظاہری شکل و صورت شرعی ہو تو دین میں کی سربندی کے لئے نمایاں تاثرات پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے ظاہر و باطن کی خوبی دونوں لازم و ملزم ہیں۔ (۴) ترجمہ: پیدا کیا انسان کو نطفہ سے پس وہ ظاہر جھگڑا لو ہے۔ (۵) سلطان بخش صاحب کے پیر و مرشد میں محمد دین صاحب ساکن ڈنگہ ضلع گجرات نقشبندی مجددی ہیں اور اشغال و اعمال بھی یہی شروع کرتے ہیں۔ لیکن نہ معلوم کیا بات ہے کہ نتیجہ یہ لکھتا ہے کہ بہت سے لوگ شریعت کی پابندیوں سے نکل جاتے ہیں اور نماز روزہ تک چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ (۶) تصوف کی اصطلاح میں فنا اس کیفیت کا نام ہے جس پر ظاہر پرستی کا مادہ انتہائی مضخل ہو کر ختم ہو جائے اور الہوی (یعنی خواہش) کی نفی پیدا ہو جائے اور سالک مردہ بدست زندہ ہو۔ (۷) بقا تصوف کی اصطلاح میں اس کیفیت کا نام ہے کہ تجلیات الہی میں محوشہ طالب مولا اپنے حواس ظاہر میں ایسی بیداری دیکھے جو رضاۓ الہی کے تمام امور میں اسے مستعد کر دے اور یہ دونوں کیفیات کیے بعد دیگرے سالک پر وارو ہوتی ہیں۔ پہلے فنا پھر بقا۔ جس کی جتنی فنا کامل ہوگی اس کی اتنی بقا بھی کامل ہوگی۔

## مکتوب چہارم

(۱) یعنی پیر خانے حافظ صاحب قبلہ دام ظله کی خدمت میں کچھ دن رہے حالت بدلنے لگی۔ پھر اپنے پیر خانے ڈنگہ ضلع گجرات چلے گئے حضور کو خط لکھا جس کے جواب میں آپ یہ خط لکھ رہے ہیں (۲) لاپرواں کرنا (۳) ترجمہ آیہ کریمہ۔ تیرے سوا کوئی لاائق عبادت نہیں، تو پاک ہے لیکن میں ظالموں سے ہوں۔ (۴) اہل رسالت یعنی ہل شرع کے مقابلے کے لوگ (مجازی) (۵) سالکین (۶) مجازیب (۷) ہیولے۔ ابتدائی مادہ کو کہتے ہیں ترجمہ بوتا۔ (۸) مجدوب ہو جاتا ہے (۹) والله يختص برحمته من يشاء۔ (۱۰) محمد مصطفیٰ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ (شریعت) کو جس نے چھوڑا وہ کبھی کبھی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ (۱۱) پس نہ تزکیہ نفس کے متعلق دعویٰ کرو۔ وہ خوب جانتا ہے اسے جو مقنی ہوا۔ (۱۲) یعنی محبت ایک اعتدالی کیفیت ہے اور عشق ایک فرط محبت کا نام ہے۔ جب یہ تیزی سے ٹوٹ جاتی

ہے۔ تو اعتدال کی طرف رجوع کرتی ہے اور محبت کی آخری حقیقت یہی ہے۔ (۱۳) بارگاہ خداوندی (۱۵) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (۱۵) بر باد کنوں۔ (۱۶) ترجمہ:- پس وہ فاصلہ دو گوشہ کمان تھا یا اس سے کم۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو وحی کی جو وحی کی۔ (۱۷) دل نے جو دیکھا اس میں غلط نہ کما۔ (۱۸) الٹی چال اور ائمہ پاؤں چلتا (۱۹) طبع سالک اور استعداد سالک سے ناواقف ہیں۔ (۲۰) شیرخ:۔ اصول ملت جس میں آسمانی اوامر و نواہی کے ذریعے سالک چلتا ہے۔ (۲۱) تکوین:۔ تخلیقی حکمتیں جن کے ذریعے موت و حیات اور نفع و نقصان کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ (۲۲) اس کی طلب شخصی طلب سے نکل کر نوعی طلب ہو جاتی ہے۔ (۲۳) بات چیت چکلی بات چیت۔ مناجات کا لفظ اسی سے ہے جو دعا پر استعمال ہوتا ہے۔ (۲۴) یا الٹی اپنی ذات میں میری حیرت بڑھا دے۔ (۲۵) مشاہد معنی دیکھا ہوا۔ (۲۶) مشاہد۔ معنی دیکھنے والا۔ (۲۷) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ (۲۸) ہمارے پروردگار ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کر اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائے شک تو بت عطا فرمانے والا ہے۔۔۔

### مکتوب پنجم۔

(۱) اللہ تعالیٰ ہمیں پناہ دے۔ (۲) تمہارے پیر طریقت (۳) تحصیل پھالیہ میں ایک گاؤں

### مکتوب ششم

(۱) انانیت۔ (۲) دیکھیں طریقت کی حقیقت صفحہ ۱۵۵ (۳) ترجمہ:۔ اے ایمان والو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل صالح کرو۔ (۳) ترجمہ: خرابی ہے ان کے لئے اس چیز سے جوانہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھی اور خرابی ہے ان کے لئے اس چیز سے جو وہ کماتے ہیں۔

مردان کار آگے بڑھے جنہوں نے از سرنو تصوف کی صحیح ترین تعبیر کو پیش کیا۔ اپنے پیارے محبوب ﷺ کی امت پر اللہ رب العزت کا یہ کتنا بڑا احسان ہے۔ کہ صدیاں گزرنے کے باوجود دین کے حقیقی خدو خال علمی اور نظریاتی طور پر بہر حال محفوظ ہیں۔

حضرت مولانا محمد عمر بیربلوی رواں صدی کی ایک اہم علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ خانوادہ نقشبندیہ کی ایک اہم ترین شاخ سے ان کی وابستگی نسبی تھی اور پھر مروجہ جدید و قدیم علوم سے بھی بھرپور طریقہ سے آشنا ہوئے لیکن انہوں نے نہ تقاضہ نسبی کو حجاب بننے دیا نہ علم کو... اور طویل جستجو کے بعد حضرت میاں شیر محمد شرق پوری ” کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے۔ موبہست ربانی نے انہیں دیگر خصائص حمیدہ کے ساتھ ساتھ فکر و بصیرت کا جو ہر بھی عطا فرمایا وہ ان خوش قسم افراد میں سے ایک ہیں جن کے افکار بڑے واضح دوڑوک اور راست علمی پر مبنی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مخاطب و قاری کو بات سمجھانے کا ایسا بے مثال ملکہ رکھتے تھے کہ باید و شاید.. آپ کے زمانے میں ایک ہم عصر سے بعض ایسے افعال کی شریت ہوئی جو کسی طرح بھی تصوف کی تقدس ماب روایات سے ہم آہنگ نہیں تھے۔ دیکھئے آپ نے کس وضاحت اور حسن و خوبی سے اصل بات کو سمجھا دیا۔

”زاویہ“ بڑی مسرت اور انبساط کے ساتھ اس مجموعہ مکاتیب کو (خصوصیت کے ساتھ اپنی نئی نسل کے لئے) پیش کر رہا ہے۔ حضرت بیربلوی نے مفید اور موثر تحریروں کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ امید ہے کہ ہم ان کے انتہائی مخلص اور سمجھدار سجادہ نشین حضرت قبلہ پیر خالد سیف اللہ صاحب کی اعانت و توجہ سے اسے منظر عام پر لے آئیں گے۔

زاویہ نشن

سرورق۔ عمل:- احمد مختار علی (محمد رضا الدین صدیقی)

